سُرخ پرچم تلے

مُرتبہ

سردار الہام

ناشر

راج پبلشنگ ہاؤس حیدرآباد (دکن)

تاریخ اشاعت ـــــــ جنوری ۱۹۴۶ء

تعداد ایک ہزار

باہتمام

چودھری بلدیوراج

ناظم راج پبلشنگ ہاؤس

Checked 1975

سول ایجنٹ:۔

دینا کمپنی سپلائی کمپنی پوسٹ بکس (۳۶) سکندر آباد (دکن)

انتساب

مستقبل کے نام ———

مقدمہ

اس مسودہ کے اوراق اس لیئے مجھے دیئے گئے کہ میں اس کتاب کا مقدمہ لکھدوں بد قسمتی سے میرا پیشہ صحیفہ نگاری تو ہے مگر مقدمہ نویسی نہیں ہے۔ پھر بھی میں نے ان اوراق کو دیکھا یہ بظاہر کسی غیر زبان کا ترجمہ ہے اور مقصود اس کتاب کی اشاعت کا غالباً یہ ہے کہ جرمن آمر اور اس کی وحشی امت کے ان مظالم کو نمایاں کیا جائے جن کا روسی علاقہ میں ارتکاب ہوتا رہا ہے۔ ترجمہ صاف اور سلیس ہے۔ قصے سبق آموز ہیں سرخ روس کے محبان وطن کی بہادری کے افسانے بلاشبہ اپنے اندر ہندوستان والوں کے لیئے بھی حب وطن کا ایک اچھا سبق رکھتے ہیں۔ دوسری بہادر اقوام کے کارناموں کو ملکی زبان میں منتقل کرکے پیش کرنا ایک مفید کام ہے اور سردار الہام صاحب کی محنت قابل قدر ہے ظلم و ستم کے مقابلے میں مظلوم کی قوت عمل کے بعض سبق آموز

نقوش ان صفحات پر پیش کئے گئے ہیں ۔ انتساب مستقبل کے نام ہے۔
ہندوستان کے ہر نوجوان کے لئے اس سے بہتر انتساب کچھ نہیں ہو سکتا
نئی نسل کی جوانی کے تصورات مستقبل سے جس قدر قریب ہو جائیں اور
ماضی کے افسانوں کو جس قدر پیچھے چھوڑ دیں اتنا ہی وہ ہمارے وطن
کی قوتِ تخلیق و تعمیر کے ضامن ہو سکیں گے ۔ "پدرم سلطان بود" کے
طلسم خیال میں ہمارے ملک کے لاکھوں نوجوان اپنی زندگیاں برباد
کرتے ہیں وہ "حال" کو اپنے سامنے رکھیں اور صرف مستقبل ہی سے
اپنے حال کی تعبیر مانگیں ۔ روسی محبّان وطن کے یہ افسانے اگر ہماری
زندگی کے کسی گوشے میں کچھ حرارت پیدا کر سکیں تو میری رائے میں
سردار الہام صاحب کی یہ کوشش کامیاب ہے ۔

محمد عبد الغفار

پیش لفظ

انقلاب کائنات کا محور ہے اور یہ محور ارتقاء کا ایک فطری خاصّہ ہے ہماری تمام تاریخ اسی خاصّہ کی کار فرمائیوں کی ایک نہ ختم ہونے والی داستان ہے جسے ہر زمانہ کہتا رہا اور ہر زمانہ کہتا رہیگا

اس تاریخ کے بڑے بڑے عنوان سیاسی و اخلاقی ہیں جنہیں عمرانی شعور کے لحاظ سے انسان نے عہد بہ عہد وضع کیا اور اسی طرح ماحول و وقت کے تقاضوں کی بناء پر اخلاقی مذاہب آئے اور عہد بہ عہد اپنی افادیت و تازگی کے ساتھ کچھ صدی تک تجربہ و استعمال میں رہے اور جب انکی افادیت ختم ہو گئی تو اُن کی قدریں بھی ختم ہو گئیں اور قدروں کے ساتھ ضرورت بھی مگر محور گھومتا رہا، زندگی کا سفر تیز رفتاری سے جاری رہا یہاں تک کہ زندگی آگے نکل گئی اور یہ نظام و مذاہب پیچھے پڑے رہ گئے تاریخ شاہد ہے کہ ایرانی، آریائی اور تمام اسرائیلی مذاہب کا یہی حشر ہوا۔ زندگی اپنا خول بدلتی رہی اور یہ

لباس کے رنگا رنگ نقوش کی طرح لباس کے ساتھ اپنی افادیت و رونق کھوتے رہے۔

بظاہر تمام سیاسی نظاموں اور اخلاقی مذاہب کا واحد مقصد یہ تھا کہ انسان کی زندگی میں وہ مسرّت پیدا ہو، جو اس کے مادّی و روحانی مصائب کا علاج ہو سکے۔ تفصیل سے قطع نظر میں صرف یہ بتانے پر اکتفا کروں گی کہ روس کے انقلاب (۱۹۱۷ء) یعنی اٹھارویں صدی سے قبل یورپ اور ایشیا میں پیدا ہو چکنے والے تمام اخلاقی و سیاسی نظاموں کا پس منظر وہ روحانی اسپرٹ تھی جو انسان کی دنیا کو مابعد الحیاتی اجزا کے نقطۂ مسّرت پر مرکوز کرتی تھی مگر زرتشتی اصول سے لیکر عیسائیت تک تمام اخلاقی مذاہب سیاست کے قبضۂ اقتدار میں رہے۔ یہاں تک کہ بدھ ازم بھی بالآخر سیاسی قبضۂ اقتدار سے آزاد نہ رہ سکا اور اسلام بھی۔ اسی ذہنی غلامی کا نتیجہ سیاسی نظاموں کی بے لگامی اور نقص کی صورت میں نکلا اور تمام سیاسی نظام عوام کے چاکر ادارے ہونے کے بجائے نسلِ انسانی کی لوٹ کھسوٹ کا ایک خطرناک آلہ بن گئے۔ انکا نتیجہ خطرناک تھا کہ دنیا دو ہزار برس تک شہنشاہیت کے زیر اثر سسکتی رہی۔

جاگیرداری نظام کو جہاں فنون و علوم اور دوسرے عمرانی ارتقاء کی سند دی جا سکتی ہے وہاں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس نظام میں اگر صحت ہوتی تو عمرانی ارتقاء کہیں زیادہ وسیع اور بلند پیمانے پر

ہوتا اور شاید نسلِ انسانی کو وہ "فردوس" مل جاتی جو "گم شدہ" نہیں تھی بلکہ جو اُس کے ہاتھ ابھی تک لگی ہی نہیں تھی۔

بہر حال کائنات کا محور تیزی سے گھوم رہا تھا اور اسے نئی تبدیلیاں کرنی تھیں، بالآخر جاگیرداری کا ردِّ عمل انقلاب فرانس کی صورت میں ہوا۔ یہ انقلاب' انقلابِ روس کا مقدمتہ الجیش تھا جو اس سے ڈیڑھ سو برس قبل خود فرانس کے امراء کے ہاتھوں عوام کی امداد سے ہوا۔ اور اسکے بعد مارکس کے اقتصادی فلسفہ کی بنیادوں پر ایک نئی تبدیلی کا خاکہ دنیا کے سامنے آیا۔ جو بالآخر انقلابِ روس کی بنیاد بنا۔ روس کا سیاسی انقلاب ہمارے عہد ہی کی چیز ہے اور ہم اس کے عالمگیر اثرات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

افلاطون۔ مزدک'۔ برہس اور روسو نے مارکس سے پہلے سماج کی بنیادیں جمہوری اور مادّی اصولوں پر قایم کرنی چاہیئں (اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قدیم ترین سیاسی و سماجی نظام اپنی قدریں کسقدر قبل کھو چکے تھے) اس کے بعد سترھویں صدی میں حکیم جون لوک نے انفرادی و اجتماعی حقوق و فرائض اور نظام جمہوری کا خاکہ پیش کیا

بہر حال یہ سلسلہ سوا سو برس میں کارل مارکس تک پہونچا۔ ۱۸۴۸ء میں اینگلز اور کارل مارکس نے دنیا کو اشتمالیت کی دعوت دی اور مارکس نے اپنی مشہور عالم تصنیف "سرمایہ" (کیپٹیل)

تحریر کی۔ غرضکہ کارل مارکس ایک مادّی پیغمبر کی حیثیت سے نمودار ہوا اور اسی کے مادّی فلسفہ کی بنیادوں پر روس میں لینن نے انقلاب پیدا کرکے اشتراکی نظام کو جاری کیا جواب تجربوں کی حدوں سے نکل کر ایک بیّن حقیقت بن چکا ہے جس کے اثر سے مشرق آزاد ہے نہ مغرب!

میری تحریر کا مقصد اصل میں یہ نہیں کہ مارکسیت یا اشتراکیت کے درجہ بدرجہ ارتقاء یا اسکی تفصیلی تاریخ سے بحث کروں۔ یہ اس کتاب کا موضوع بھی نہیں لیکن افسانوں کا یہ مختصر مجموعہ ان مسائل سے ایک منطقی تعلق ضرور رکھتا ہے اور اسی لئے میں نے آغاز میں ان اشاروں کو ضروری خیال کیا جو کئے گئے۔

آپ جانتے ہیں کہ جسطرح مارکس نے ایک نئے مادّی فلسفہ کی ترتیب و تخلیق کی اور اس کی بنیادوں پر 'کمیونسٹ روس' پیدا ہوا۔ اسی طرح ایک موقتی و عارضی ردِّ عمل جرمنی میں ہوا۔

جرمنی میں ـــــ نیٹشے نے ناتسی ازم کا بیج بویا۔ مارکس دولت کو مساوی طور پر تقسیم کرنے اور عوام میں ایک کلچرل سطح قایم کرنے کا قائل تھا اور نیٹشے اس کے رد کے طور پر کہتا تھا کہ عوام کوئی چیز نہیں ہیں انہیں راحت تو دینی چاہیے لیکن اس خوشی کی کنجی اشراف (بورژوا) کے ہاتھ میں ہونی چاہیے۔ نیٹشے کے عمرانی تصوّر کے منطقی نتائج ایک قوم کی بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ایک طبقہ کی اجارہ داری کی صورت میں نکلتے ہیں، لیکن مارکس کا مذہب ایک حکیمانہ مذہب ہے اور اس کے عمرانی نقشے کی

حدیں، مزدوروں اور کسانوں کے ٹوٹے ہوئے دلوں تک جاتی ہیں
ایک کلچر کو محدود اور دوسرا لامحدود کر دینا چاہتا ہے۔

بہرحال مارکسی روس، اور نازسی جرمنی، دو ایسی مخالف و متضاد قوتیں وقت کے بطن سے ابھریں جنکا تصادم کسی نہ کسی نہج سے ہونا ہی تھا لیکن ہوا وہ دوسری جنگ عظیم کے نام پر ! ؟

اور دنیا نے یہ دیکھ لیا کہ ایک پارٹی کے مقابلہ میں جو کسی قوم یا ملک کی کامل اجارہ داری کی مدعی بنتی ہے۔ عوام کی قوت بہت زیادہ ہے۔ ہٹلر اور اس کی پارٹی فنا ہو گئی۔ اسٹالن اور اس کے پشت پناہ عوام فاتح و کامیاب ہوئے۔

یہ چند مختصر افسانے جنہیں روس کے نئے افسانہ نگاروں نے لکھا اور ملک کے نوجوان اور ذہین انشا پرداز سردار الہام نے ترجمہ کیا ہے اس عظیم ترین روح کو پیش کرتے ہیں۔ جو ہمارے زمانہ کی سب سے بڑی اور خوفناک لڑائی میں روس کی ایک ایک عورت، ایک ایک نوجوان اور ایک ایک بچے میں دوڑی ہوئی تھی۔ اور جو بالآخر ہزاروں قربانیوں اور لاتعداد مصائب اٹھانے کے بعد روس اور اشتراکیت کی فتح کا سبب بنی،

یہ افسانے ہمارے لئے اپنے اندر سبق پوشیدہ رکھتے ہیں، اور وہ سبق یہ ہے کہ "زندگی اور انسانی جان مقصد کے مقابلے میں، ہیچ ہے" مقصد کے لئے جیو اگر جینا ہے، اور اگر مرنا ہے تو یوں مرنے سے کیا فائدہ مقصد

کے لئے مرد، کہ مقصد ہی زندگی ہے، اگر کسی قوم کی زندگی کا کوئی اجتماعی آئیڈیل نہیں تو وہ قوم کہلانے کی مستحق نہیں، بھیڑوں کا ایک گلّہ ہے، جس کی قسمت میں اُون کے تاجر کی قینچی اور قصائی کی تیز چھُری کے علاوہ کچھُ نہیں،

ان افسانوں کو ترجمہ کرکے سردار الہام صاحب نے بہت بڑی خدمت کی ہے، جس کے لئے اردو داں طبقوں اور اتحادیوں کو ان کا شکر گذار اور ممنون ہونا چاہیئے۔ کم از کم میں ان کو دلی مبارکباد دئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ ان چند کہانیوں میں ہمارے مُردہ دلوں کے لئے بیداری کا بہت کچھ سامان پوشیدہ ہے۔

ذکیہ سلطانہ ساغر

تعارف

عوامی جنگ کی ابتدا ہی سے تقریباً تمام ممالک کے ادیب ایک نئے ادب کی تخلیق میں مصروف رہے۔ لیکن بجا طور پر اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ سوویت یونین کے ادیبوں نے برطانوی، امریکی اور دوسرے ممالک کے ادیبوں سے کہیں زیادہ کام کیا ہے۔

جنگ کے دوران میں سوویت ادیبوں کے کارنامے حرّیت پسند ممالک کے باشندوں تک پہونچ چکے ہیں۔ کئی ادیبوں نے فوجی افسر اور سپاہی کی حیثیت سے مادرِ روس کی مدافعت کی۔ بعض اخبارات کے نمائندے تھے اور اپنی پرجوش تحریروں سے عوام کے جذبات اُبھارے انھوں نے اپنی نظموں، کہانیوں ڈراموں اور ناولوں کے ذریعہ عوامی جدوجہد کو فنکارانہ انداز میں پیش کرکے اہلِ علم سے خراجِ تحسین حاصل کیا۔ ان کی تحریروں میں خلوص اور تجربات میں صداقت تھی اس لیئے یہ کہنا صریحاً غلط ہے کہ سارا جنگی ادب، پروپگنڈے پر مبنی ہے۔ جیسے کہ تمام طور پر کہا جاتا ہے۔

اڈگر اسنو ہی کو لیجئے جو ایک ترقی پسند امریکی جرنلسٹ ہے اور ہم ہندوستان اور چین کی آزادی سے متعلق اس کی بے پناہ ہمدردیوں سے بخوبی آگاہ ہیں۔ اپنی تصنیفات " رڈ اسٹار اوور چائنا " اور " اسکارچڈ ارتھ " کے ذریعے اس نے ہندستانیوں کو جاپان کے خلاف چینیوں کی بے جگرانہ جدوجہد سے روشناس کیا۔ سب جانتے ہیں کہ وہ برطانوی ایجنٹ ہے نہ ہی کمیونسٹ ۔ ہم اڈگر اسنو کے تحریر کردہ عینی مشاہدات کو شائع کر رہے ہیں۔ جو " سنڈے ایونگ پوسٹ " مطابق ۲۹ مئی ۴۳ء میں شائع ہوئے تھے۔ یہ سارے حالات اسکے چشم دید واقعات ہیں جو رزہیف میں سرخ فوج کے جرمنوں کو بھگانے کے بعد وہاں کے باقی ماندہ باشندوں سے معلوم ہوئے۔

علاوہ ازیں " آئرن کراس " واندا واسلیفسکایا کا افسانہ ہے جو پولینڈ کی ایک نامور ادیبہ ہے اور اس عوامی جنگ میں اس نے خود حصہ لیا اپنی ادبی تحریرات کے باعث اس نے استالن انعام بھی حاصل کیا۔ نکولائی تخوناف لینن گراڈ کا شاعر اور ادیب ہے اور محاذ پر فسطائیت کے خلاف جہاد میں مصروف رہا۔ جسے شاعری کا استالن انعام دیا گیا۔ اسی طرح ایلینا کونونکو اور ارلوف بھی روسی ادیب ہیں۔

" آئرن کراس " " خاندان " اور " انتقام " " قومی جنگ " میں شائع ہوئے ہیں اور " گوریلا لڑکی اینا " " ایشیا " میں بقیہ کہانیاں غیر مطبوعہ ہیں۔

سردار الہام

"آئرن کراس"

نم آلود زمین پر اُگے ہوئے درختوں سے پرے چھوٹی چھوٹی پھیلی ہوئی پہاڑیوں کے دامن میں کھیت لہلہا رہے ہیں اور سورج کی روپہلی کرنیں چمک رہی ہیں گمان تک نہیں ہوتا کہ پھیلے ہوئے دشت میں جہاں اودے جنگلی پھول کھلے ہوں اور پکتے دھانوں کے سنہرے کھیت لہلہا رہے ہوں کوئی غیر معمولی بات پیش آسکتی ہے۔

لیکن درخت بے ترتیبی سے کٹے ہوئے ہیں اور جا بجا خندقوں سے "ٹینک توڑ" توپیں اپنا مُنہ نکالے جھانک رہی ہیں۔ جرمن آہستہ آہستہ بڑھ رہے ہیں اور تھوڑے تھوڑے وقفہ سے مہیب توپوں کی گرج دار آوازیں فضا میں گونج رہی ہیں۔ ہمارے سروں پر —— درختوں کی چوٹیوں سے اوپر —— کچھ آوازیں! جیسے پرندوں کا غول یک بیک کسی بڑے آہنی پنجرے سے رہا ہو کر تیزی سے پرواز کر رہا ہو۔ سیدھی جانب سے مشین گن کی مسلسل آوازیں آرہی ہیں۔ پرندوں کے پروں کی آوازیں فضا میں کھو گئیں اور جنگ کی ہولناک صدائیں سنائی دینے لگیں۔

ان تنگ خندقوں اور اس جنگل میں مختلف چہرے نظر آرہے ہیں۔ یہ سرخ سپاہی روس کے ہر حصہ سے آئے ہیں جو ایک دوسرے کے مخلص دوست اور وفادار ساتھی ہیں۔ ان کی زبانیں ان کے اپنے قصبے اور شہر اور ان کے طور طریق جدا جدا ہونے کے باوجود وہ چیز جس نے انہیں محبت کے بندھنوں میں جکڑ رکھا ہے۔ مشقّت اور ایک مشترکہ مقصد کے لئے سرخ پرچم کے تلے جدوجہد ہے آج ان کی دوستی اور زیادہ مستحکم ہوگئی جب کہ وہ دوش بدوش اپنے مقدس وطن کے لئے خون بہا رہے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ انکا فرض کیا ہے اور وہ یہاں کیوں آئے ہیں۔ انہیں جرمنوں کا سامنا ہے اور پشت پناہی پر محبوب وطن ہے۔ تنگ خندقوں کی مسلسل قطار شمال سے جنوب تک چلی گئی ہے جو ایک مستحکم سرحد کا کام دیتی ہے۔ اور اس پر روس کے جانباز سپاہی متعیّن ہیں۔

ہم کچھ دیر "ٹینک توڑ" توپوں کے قریب سستا رہے تھے۔ کمانڈر نے ہمیں ایک تمغہ دکھلایا "آئرن کراس" جو کسی مردہ جرمن کے سینے کی زینت تھا۔ میں نے جرمن تمغہ اپنے ہاتھ میں لیا رو پہلے کناروں کا سیاہ تمغہ جس پر "۱۹۳۹" لکھا تھا۔

ایک ہی دھماکے میں سب کچھ گونج اٹھتا ہے۔ جنگل۔ خندقیں اور میں نے گرجتی ہوئی توپوں کی آوازیں سنی۔ جرمن "آئرن کراس" سے ایک شعلہ سا اُٹھتا دکھائی دیا ــــ اس آگ کا پرتو جس نے پوستانی گاؤں بھسم کر ڈالے یا ان بیگناہوں کے خون کا عکس جو پولینڈ میں مارے

گئے۔ ان مصیبت زدہ عورتوں اور مردہ بچوں کا خون جنھیں مظالم کا نشانہ بنایا گیا۔

"انیس سو انتالیس" ــــــ کس لئے؟

جواں مردی کے صلے میں؟ ۱۹۳۹ کا آئرن کراس پولینڈ میں داخل ہونے کے بعد کارہائے نمایاں کے سلسلے میں دیا گیا تھا۔

آخر اسے کن کارہائے نمایاں کے سلسلے میں یہ انعام دیا گیا؟ وارساکی تباہیوں کے صلے میں؟ کراکو کی حدوں سے گذرنے کے صلے میں۔ آتشزدہ شہروں اور دیہاتوں کی بربادی کے صلے میں؟ ۱۹۳۹ء سے ابتک اس جرمن افسر نے اپنے ضمیر کی پشیمانی کے بغیر اسے لگائے رکھا۔ اور اس تمغہ کو اپنے سینے کی زینت بنائے مختلف شہروں سے گذرتا رہا۔ سیاہ تمغہ پر بلجیم، فرانس، الینڈ اور ناروے کی آتشزدگیوں کے پرتو نظر آرہے ہیں اور بلجیم، ناروے اور فرانس کے بچے خوفزدہ نظروں سے اسے گھور رہے ہیں۔ نخوت اور غرور کے نشے میں چور، جرمن افسر آئرن کراس سینے پر لگائے مفتوحہ علاقوں سے گذرتا رہا۔ بالآخر قسمت اور اس کے کمانڈر کے حکم نے اسے یہاں پہونچا دیا۔ یوکرین کی سرحد پر اور یہیں وہ تمغہ اور اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ یہ ایک سرخ فوج کے کمانڈر کا ہاتھ تھا جس نے دشمن افسر سے تمغہ چھینا۔ سیاہ تمغہ ــــــ روپہلے کناروں کا۔ وہ اس بات کی شہادت تھا کہ جرمن افسر نے اپنا فرض ایک غارت گر کی حیثیت سے انجام دیا ہے۔

یوکرین کی سرحد پر ـــــ ایک سرخ فوج کے کمانڈر نے ایک تمغہ میرے ہاتھ پر رکھا۔ ایک جنگی انعام۔

مجھے معلوم تھا کہ وہ تاریخ پر کوئی توجہ نہیں دے رہا ہے۔ کیونکہ وہ اسے کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ لیکن یہ بے جان دھات کا ٹکڑا کتنا عبرت آموز ہے یہ سرخ فوج کا ایک کمانڈر ہے جو بیگناہوں کے خون کا انتقام لے رہا ہے اپنے ملک کی مدافعت کے ساتھ ساتھ وہ مفتوحہ قوموں کی امداد کر رہا ہے۔ وہ پولینڈ، بلجیم، فرانس اور ان ملکوں کے لئے لڑ رہا ہے جو آہنی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ وہ عوام کا منتخبہ ساونت ہے تہذیب کا چنندہ بہادر ہے۔ ان کا غازی اور انہیں رہائی دلانے والا۔

مجھے ان دنوں کا خیال آیا جب دو سال پہلے ۱۹۳۹ میں میرے پولینڈ کے دوران قیام میں ہٹلر نے غارت گری شروع کی۔ ساتھ ہی اسوقت کا بھی خیال آیا جبکہ یہ سلسلہ اسکی ناگزیر شکست پر ختم ہوگا۔ میرے لئے یہ تمغہ اور اسکی تاریخ فاشستی خونی تحریک کی یادگار ہے اور سرخ فوج کے کمانڈر کے ہاتھ میں ـــــ فاشستوں کی تباہی کا بیّن ثبوت۔

یک بیک باڑھ چلی۔ سروں کے اوپر، درختوں کی چوٹیوں سے اوپر ـــ دور، افق کے قریب فضا میں جیسے بجلی سی چمکنے لگی اور اودادل کی دوسری جانب خندقوں پر متعینہ سپاہی میدان اور کھیتوں کی محافظت میں مصروف ہیں۔

کمانڈر نے "جرمن کراس" اپنی جیب میں رکھ لیا اور ہم سب خاموش اور ساکت رہے۔ خندقیں، اسلحہ، توپ خانہ سب کچھ فتح کی پیشین گوئی کر رہے ہیں۔ اور سپاہیوں کے مطمئن چہرے گویا کہہ رہے ہوں کہ ـــــ چاہے جو کچھ بھی ہو ـــــ کتنی بھی مصیبتوں کا ہمیں سامنے کرنا پڑے۔ ہم اور صرف ہم ہی فتحیاب رہیں گے۔

"آخری کارتوس تک"

ہمارے ایک اسکاؤٹ دستے نے ایک جرمن پٹرول کا پتہ لگایا۔ شام ڈھل چکی تھی جرمنوں کو کسی خطرہ کا گمان نہ تھا۔ اس غیر آباد علاقہ میں کیا خطرہ لاحق ہو سکتا تھا۔ گہرا سکوت چھایا ہوا تھا اور فاشستی پٹرول نے اطراف بے پرواہانہ نظریں ڈالیں۔

اسکاوٹ آہستگی اور خاموشی سے زمین چھوتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے ــــــ ان کے سارجنٹ واسلی کسلیاتوف نے اپنے دل کو دھڑکتے ہوئے پایا۔ ہر جرأت آمیز اقدام کے موقعہ پر ایسا ہوتا ہے اور اس پر سراسیمگی سی طاری تھی۔ وحشت قدرے دور ہوئی اور اس نے ہر چیز کا جائزہ لیا تاکہ ہوشیاری سے سارا کام سرانجام پائے پھر خاموشی چھا گئی اور ایک بار اس نے اپنے طریقہ کار پر غور کیا۔ یہ کارروائی جذبات پر مبنی تھی لیکن سینیر سارجنٹ جانتا تھا کہ بہادری فتح کی ضامن ہے۔ اسے پورا وثوق تھا کہ ہر چیز اسکے حسب منشا تکمیل پا جائیگی

اور ساری کارروائی اسی انداز میں ہوگی جیسا کہ اسکے ذہن میں خاکہ موجود ہے۔

کبھی کبھی فاشستی اس سمت نظریں دوڑاتے جہاں اسکاؤٹ بڑھ رہے تھے لیکن انہیں مطلق پتہ نہ لگ سکا۔ سرخ فوجی قریب سے قریب تر ہو گئے اور انہیں فاشستیوں کی ساری آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ اپنے اسلحہ صاف کرتے، گپ ہانکنے اور سگریٹ نوشی میں مصروف تھے۔ کچھ لوگ مشین گنوں کے پاس موجود تھے اور ان کے قریب ہی مسلح گاڑیاں تھیں۔

یہیں، گاڑیوں پر پہلا حملہ ضروری تھا۔ کسلیاقوف نے آہستگی سے اپنے آدمیوں کو ان کے کام سمجھا دیئے۔

"جیسے ہی کہ تمہیں لفظ "ہررا" سنائی دے اپنا کام شروع کردو اور دستی بم پھینک کر انہیں منتشر کردو۔ اب ہمیں آگے بڑھنا چاہیے۔ کامریڈز"

جنگجو پھر نہایت احتیاط سے آگے بڑھنے لگے تاکہ دشمنوں کو ان کی موجودگی کا پتہ نہ لگ جائے اور اب وہ فاشستوں سے بہت ہی قریب پہونچ چکے تھے۔ کسلیاقوف نے بم اٹھایا۔ "میرے پیچھے پیچھے آؤ کامریڈز ـــــــ اپنی مادر وطن کے لئے ـــــ ہررا"

اور یکایک ایک انتشار پھیل گیا۔ بموں نے استادہ گاڑیوں کو ناکارہ کر دیا۔ ایک دہشت خیز حملہ جاری تھا۔ اور کچھ ہی دیر پہلے جہاں

خاموشی اور سکوت حکمران تھا دہشت اور سراسیمگی پھیل گئی۔ فاشستی بوکھلا کر بھاگنے لگے۔ لرزہ خیز آوازیں گونجنے لگیں اور غیر متوقع خوف و ہراس چھا گیا۔
سوویٹ اسکاؤٹ کے ایک کم تعداد دستہ کیلئے اور کیا طریقہ کار ممکن تھا سوا اس کے کہ مسلح گاڑیوں کو از کار رفتہ کر کے جرمنوں کو بھاگ نکلنے پر مجبور کر دیں بظاہر تو اور کوئی امکان نہ تھا لیکن روسی جانبازی، بہادری اور حب الوطنی سے انہوں نے کام لیا اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہے۔ سینیر سارجنٹ کسلیا قوف نے کمال مستعدی سے دشمنوں کو خاطر خواہ جانی و مالی نقصان پہونچایا۔ جرمنوں کو یہ سوچنے کا موقع بھی نہ تھا کہ کیا گذری ہے۔ انھوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور اسطرح از خود اسیر ہو گئے۔
کسلیا قوف جانتا تھا کہ بہ سرعت تمام کام انجام دینا ہے قبل اس کے کہ جرمن سنبھل بھی سکیں۔ وہ جرمنوں کے خالی شدہ چیمبر میں گھس گیا۔ وہاں اس نے ایک آہنی صندوق پایا جس میں دشمن کے خفیہ دستاویزات محفوظ تھے۔ وہ صندوق اٹھا کر لوٹ آیا۔ "ہر کام بخوبی طے پایا کامریڈز" اور جانباز روسی اسکاؤٹ لوٹنے لگے۔

ایسے ہی کتنے جرأت آفریں حملے انہوں نے کئے۔
واسلی کسلیا قوف — جنگ کے دوران میں اس نے اپنی اعلیٰ فوجی قابلیتوں سے کام لیا ان پتھریلے راستوں اور کوہستانی علاقوں میں — جرمن مقبوضہ مقامات پر وہ اپنے فرائض کی بجا آوری کر رہا تھا۔

اور خفیہ دستاویزات فراہم کرتا، قیدیوں سے فوجی راز معلوم کرتا اور دشمنوں کو تباہ کرتا ہوا ایک بن بلائے مہمان کی طرح موجود تھا۔

اسکی ساری صلاحتیں اور جانبازانہ قابلتیں جائز طور پر استعمال ہو رہی تھیں اور مردانہ وار ہر صعوبت کا مقابلہ کرتے ہوئے وہ جارحانہ کارروائیوں میں مشغول تھا۔ اس کا میدانِ عمل وہ مقام تھا جہاں فاشسٹ نقل و حرکت جاری تھی وہ مجسمۂ بہادری بنا ہوا ان راہوں پر اپنے جیسے جو شیلے چند افراد کی ایک جماعت لئے ہوئے نظر آتا اور یوں حملہ آور ہوتا جیسے وہ دشمنوں پر ٹوٹ پڑنے کے کوئی موزوں و مناسب موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتا ہو۔ وہ ہمیشہ غیر متوقع طور پر اور اچانک فاشستوں پر حملہ آور ہو کر انہیں سراسیمگی اور نقصانات کا شکار بنا دیتا۔

اس نے اپنی تمام تر فوجی قابلیتوں کو اجاگر کیا اور اس دانشمندی اور چالاکی سے کہ دشمنوں کی راہوں سے گذرنے میں اس کا جواب مشکل سے ملے گا جیسے کہ اسکے جرأت آمیز اقدامات اور اچانک حملوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس میں بہادری جوش اور موقع شناسی کی وہ ساری خوبیاں موجود ہیں جو ہمارے سرخ فوجیوں کا خاصہ ہے۔ واسلی کسلیا قوف اپنی مادرِ وطن کا فرزند ہے۔ جسمیں شجاعت، اعلیٰ صلاحیت، فوجی قابلیت، جوش، پھرتی، ایثار اور خود اعتمادی کے جوہر موجود ہیں۔ اسے اپنے عوام پر اعتماد اور فتح کا یقین ہے۔ اور ان خوبیوں کا اس نے ہر موقعہ پر ثبوت دیا ہے۔

کسلیا توف کے دستے کو حکم دیا گیا کہ وہ پہاڑی (N) پر قبضہ جمالیں کیوں کہ اسکی بڑی اہمیت تھی۔ اور اس پہاڑی کو ہر امکانی کاوش سے بچانا تھا۔

" اپنے ارادے اٹل رکھو " کسلیا توف سے کہا گیا۔" آخری کار توس اور آخری خطرہ خون تک ـــــ پہاڑی کا ہمارے عمل دخل میں رہنا ضروری ہے "

اس نے سادگی سے جواب دیا" پہاڑی پر ہمارا قبضہ باقی رہے گا ـــــ کامریڈ کمانڈر "

دستہ چڑھائیوں کی طرف بڑھا۔ وہ بروقت پہونچ گئے اور اسی سمئے فاشسٹ سپاہیوں کی ایک نصف کمپنی بھی آگئی اور پاس کی پہاڑی سے اترتے ہوئے وہ پہاڑی این N کی طرف بڑھے۔

کسلیا توف نے چٹانوں کے پیچھے ہوجانے کا حکم دیا جنگجوؤں نے تعمیل کی اور بندوقوں کے گھوڑے چڑھنے لگے۔" جلدی نہ کرو "، کسلیا توف نے کہا۔

وہ خاموش تھا۔ وہ جانتا تھا کہ سنگین لڑائی اور وحشت خیز مقابلہ ہوگا اس نے دیکھا کہ ٹکرانے والی قوتیں مساوی نہیں لیکن پھر بھی اسے کوئی خوف نہ تھا۔ بلکہ یقین تھا کہ پہاڑی محصور نہیں کی جاسکتی اور انتہائی کٹھن وقت میں بھی کوئی نہ کوئی راہ نکل ہی آئے گی۔

اس نے سنجیدگی سے کہا" تمہیں حکم ہے کہ پہاڑی کو محصور نہ ہونا چاہئے۔

تمہاری جان کے لالے پڑ جائیں لیکن پہاڑی پر قبضہ رہے۔ کیا تم سن رہے ہو؟"

جنگجوؤں نے دوستانہ لہجہ میں کہا "پہاڑی پر ہمارا ہی قبضہ رہیگا۔"
وہ کمانڈر سے اُنس رکھتے تھے اور اسکی جوانی اور کم عمری کے باوجود اس پر اعتماد تھا۔ سینیر سارجنٹ کی موجودگی نے ان میں جوش اور اتحاد کی روح پھونکدی۔
ڈھلانوں پر فاشستی سپاہ تو دنظر آرہے تھے۔

جرمنوں نے توپیں اور مشین گن چلانے شروع کئے اور جنگ کے مہیب شعلے بھڑکنے لگے۔ پہاڑی ساکت تھی۔ "عجلت نہ کرو" ایک بار اور کسلیاقوف نے دستے کو سمجھایا۔ اپنی تیاریوں کو مکمل سمجھکر انھوں نے حملہ شروع کردیا تھا۔
لیکن پہاڑی پر سکون تھی۔
نازیوں کو قریب پہونچنے کی مہلت دیکر جب وہ چند قدم فاصلہ پر رہ گئے تو کسلیاقوف نے گرج کر کہا۔ "اب وقت ہے ـــــ فائر کرو"
انسانی جسم پہاڑی ڈھلانوں پر لڑھکنے لگے۔ فاشستوں میں انتشار پھیل گیا۔ زخمی کراہنے لگے اور جرمن سپاہی سراسیمہ ہو گئے۔
کچھ پیچھے بھاگے تاکہ اپنے افسروں کے ارادوں سے آگاہ ہوں۔
کسلیاقوف نے دانت پیس کر کہا " اور فائر کرو اگر یہ حملہ ان کے

لئے ناکافی ہے"۔ نصف فاشست کمپنی کے قدم اکھڑ گئے اور وہ نیچے لڑھکنے لگے۔ پہلا حملہ کافی تھا لیکن ایک اور حملہ ہوا۔ جرمن ان چند سرخ جانبازوں کو محصور کرنے کے لئے کوشاں تھے۔ لیکن دونوں طرف سے ایک دہشت خیز مقابلہ جاری رہا۔ انہوں نے پھر ایک کوشش کی اور ناکام رہے۔" یہ حوصلہ۔ اے خونی کتو!" کسلیا قوف نے مطمئن ہو کر کہا۔ لیکن غیر متوقع طور پر اسے بتلایا گیا۔" تمام کارتوس ختم ہو گئے"۔ وہ بیحد گھبرا گیا۔ اسے معلوم تھا کہ فاشست کمپنی پہاڑی پر چڑھنے کی پھر کوشش کرے گی۔ اسکی بھویں سکڑ گئیں اور حکم دیا۔" اپنے بمب تیار رکھو"

چٹانوں کے درمیان مشین گن رکھکر اس نے چلانی شروع کی۔ جرمنوں نے ڈھلانوں پر چڑھنے کی ایک اور کوشش کی۔ دستی بمب پھینکے جانے لگے۔ آگ کے دھکتے ہوئے شعلوں سے گھبرا کر وہ پھر لوٹنے لگے۔

ایک گھنٹہ گذرا ـــــ دوسرا گھنٹہ گذرا۔ لیکن لڑائی بدستور جاری تھی۔ برابر کی ٹکر تھی لیکن شدید اور خطرناک ـــــ یکایک کسلیا قوف سے کہا گیا ـــ

" دستی بمب بھی ختم ہو گئے"۔

کسلیا قوف نے پلٹ کر جنگجوؤں کو دیکھا پھر ایک بار اس نے اپنی اور دشمن کی قوت کا اندازہ لگایا اور فیصلہ کیا کہ اگر اور کارتوس نہیں۔

بندوقیں دشمن کے حملوں کا جواب نہیں دے سکتیں اور بمب بھی ختم ہو گئے ہیں تو ضروری ہے کہ جنگجوؤں کو بچا لیا جائے ان زندہ قوتوں کو اپنے کامریڈز اور دوستوں کو اور اس نے انہیں چلے جانے کو کہا اس نے دوبارہ حکم دیا "چلے جاؤ"

ایک افسر کوخاریوف اور زانوزان کچھ دیر اسکے ساتھ رہے۔ ان کے ہاں کچھ کارتوس بچ رہے تھے۔ ان تین جانبازوں نے دشمن پر حملہ جاری رکھا۔ فاشسٹیوں کے تودے قریب ہوتے نظر آ رہے تھے اور کچھ لڑھک کر غائب ہو گئے لیکن دوسرے لمحہ وہاں اور موجود تھے۔ آہستہ آہستہ سیاہ تودوں کی ایک لائن چڑھتی دکھائی دی کیا پہاڑی واقعی محصور ہو جائے گی ؟

نہیں ! کسلیا قوف ایک لمحہ کے لئے بھی ایسا نہ سوچ سکتا تھا۔ اس نے مدافعتی کارروائی جاری رکھی اور دشمن پر کاری ضربیں پہنچاتا رہا۔ کوخاریوف اور زانوزان مل کر فائر کرنے لگے لیکن بہت جلد ان کا تھوڑا اسا اسٹاک ختم ہو گیا اور وہ کیطرح بھی اپنے کمانڈر کی مدد نہ کر سکتے تھے۔ بے بس ہو کر وہ لیٹ رہے۔ کسلیا قوف نے انہیں بھی چلے جانے کا حکم دیا۔

اب وہ تنہا رہ گیا تھا۔ ستر یا اسی یا بہت ممکن ہے کہ سو ، فاشسٹیوں کے مقابلہ میں وہ مردانہ وار دشمنوں کے حملوں کا جواب دیتا رہا ——

دشمن کی چار توپیں لگاتار برسنے لگیں۔ اس پہاڑی کی تنہا مدافعت کرنے والے پر۔ لیکن کسلیا قوف ابھی تک محفوظ تھا۔ اچانک اسکے پیر پر ایک شل گرا۔ کسلیا قوف نے کہا "اب خاتمہ ہے" لیکن وہ بے ضرر ثابت ہوا اور اس نے پھر مقابلہ جاری رکھا۔ کسلیا قوف کی مشین گن مسلسل فائر کر رہی تھی اور فاشسٹوں کی تعداد کم ہوتی جا رہی تھی اسکے ذہن میں صرف یہی خیال تھا کہ پہاڑی کو دشمن کے ہاتھوں میں نہ جانے دیا جائے اور وہ پورے انہاک اور جوش سے جارحانہ حملہ میں مشغول تھا۔ یکایک اسے معلوم ہوا کہ مشین گن اپنا فرض تمام کر چکی ہے۔ اس خیال سے کہ وہ دشمنوں کے کام نہ آئے اس نے مشین گن کو چٹانوں میں کہیں چھپا دیا گو مشین گن اب ناقابل استعمال تھی لیکن ابھی اسکی رائفل باقی تھی۔ غیر ضروری عجلت سے کام نہ لے کر وہ اب سنبھل سنبھل کر ٹھیک طور پر فائر کرنے لگا۔ انھوں نے بیحد کوشش کی کہ کسلیا قوف کو گھیر کر زندہ گرفتار کر لیا جائے لیکن بے سود۔ یکے بعد دیگرے فاشسٹ سر د پتھروں پر گرنے لگے۔ جو کوئی بھی ذرا آگے بڑھنے کی کوشش کرتا اسے موت کے سپرد ہونا پڑا اسینیر سارجنٹ کی نظر بیحد تیز تھی۔

آخر کار، کارتوس بھی ختم ہو گئے اور رائفل نے مشین گن کا اتباع کیا اب کسلیا قوف کے پاس پانچ یا چھ دستی بمب رہ گئے تھے۔ کیا کیا جائے؟ کیا پیچھے ہٹنا ہوگا؟ اسے کمانڈر کا حکم یاد آگیا۔ آخری سانس تک پہاڑی پر قبضہ رکھنا ہے۔ اسکے معنی ہیں کہ اسے آخری کارتوس اور آخری بمب

تک لڑائی جاری رکھنی ہوگی ——
لیکن ان باقی ماندہ بموں کے علاوہ سب کچھ ختم ہو چکا تھا۔ مدافعتی حربوں میں سے اب کچھ بچ نہ رہا تھا۔ اور کوئی راستہ بھی نہ رہ گیا تھا۔ لیکن صرف ایک —— اور کسلیا قوف نے اسے پالیا۔ جب کہ جرمن ابھی نیچے تھے اس نے بہ عجلتِ تمام اپنے مردہ کامریڈز کے جیب ٹٹولے جس سے اسے کچھ کارتوس حاصل ہوگئے۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ مدافعت کے لئے ابھی کچھ اور موقع ہے تاکہ دشمنوں کو غارت کیا جاسکے۔
اس بے خوف بہادر نے اپنی رائفل سنبھالی۔ وہ تنہا تھا —— بالکل تنہا لیکن پہاڑی پہلے کی طرح بدستور ابھی دشمنوں کے قبضے میں نہیں گئی تھی۔ آخر کار اس نے اپنا آخری کارتوس استعمال کیا۔ ذلیل فاشست درندے پہاڑی کے بالائی حصہ سے ابھی دس یا پندرہ گز دور تھے کسلیا قوف کی رائفل خاموش ہوگئی اور اس کے چہرے پر موت کے آثار جھلکنے لگے۔ اس کے پاس ابھی ایک حربہ باقی تھا۔ اس لڑائی کا فیصلہ کن ہتیار —— اس نے چلا کر کہا "پلاٹون حملہ کرنے میں میرا اتباع کرو"
ایک آخری جرأت آمیز اقدام جس میں زندگی کا خطرہ ہو۔ مادرِ وطن کی غیرت کا آتشین احساس اور پرجوش جذبہ جوانمردی، روسی جانبازی اور اعلیٰ فوجی استعداد کے بے خوف مظاہرہ پر مبنی تھا۔
اس حملہ نے دشمنوں کے اوسان قطع کردیئے ان پر ایک جادوئی اثر ہوا اور ہر کوئی گھبرا کر پیچھے ہٹنے لگا۔ اسی لمحے میں جرمنوں کی سمت میں

نیچے آگ پھیل رہی تھی۔ کسلیا قوف نے نظریں دوڑائیں۔ دیکھا کہ خود اپنے آدمیوں کی ایک جماعت دشمنوں پر ٹوٹ پڑی تھی —— "ہررا" کی صدا نیچے سے سنائی دی۔ "ہررا" کسلیا قوف فاتحانہ انداز میں کہہ رہا تھا —

جرمن ہر چیز چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ بندوقیں، مشین گن، کارتوس، ہر چیز —— اور نصف کمپنی نے جو پہاڑی پر قبضہ کرنے آئی تھی گراں بار نقصان برداشت کیا۔

پہاڑی پر ہم ہی قابض رہے۔ حکومت نے کسلیا قوف کو اس بہادری بے خوفی اور متحیر کُن کارناموں کے صلہ میں "سوویٹ یونین کا ہیرو" کے خطاب سے سرفراز کیا۔



"ماں"

"چلو ہم اس سے مل آئیں" ماں نے کہا۔ اور اسکی لڑکی اولگا سمجھ گئی کہ ماں کا اشارہ کس کی طرف ہے۔ وہ اپنے لڑکے سے متعلق کہہ رہی تھی۔
بورس رضا کار جو اولگا کا بھائی تھا۔ اس کو مطلّع کیا گیا تھا کہ وہ اپنے ادارے کے تمام ساتھیوں سمیت فوج میں جانے والا ہے۔ ماں اسکے مقابل کھڑی تھی۔
"لیکن تمہاری نظریں کمزور ہیں اور جسمانی حالت بھی ٹھیک نہیں" اس نے اعتراض کیا "کیا تمہیں اسکی فکر نہیں"
"کوئی پرواہ نہیں ماں" بورس نے جواب دیا۔
تم نے اس سے پہلے جنگ میں کبھی شرکت نہیں کی اور تمہیں دقتیں پیش آئینگی" "کوئی پرواہ نہیں ماں" اس نے بے پرواہی سے اپنا جملہ دہرایا اور سامان سمیٹتا رہا۔
کئی بار اولگا اور ماں اس سے ملنے گاؤں جاتے رہے جہاں وہ تربیت حاصل کر رہا تھا۔ وہ ورزش سے واپس ہوتا، تھکا ماندہ،

گرد آلود اور مضمحل اور وہ بیٹھے اپنے شہر، دوستوں، ملاقاتیوں اور رشتہ داروں کی باتیں کرتے انہوں نے جنگ سے متعلق کبھی کوئی بات چیت نہیں کی کیونکہ ان کے ارد گرد ہر چیز اس سے متاثر اور جنگ کی آلودگیوں سے ملوث تھی۔

اور لگا ایک نوجوان لڑکی تھی اور یہ ملاقاتیں اسکے لئے ایک تفریحی حیثیت رکھتی تھیں جیسے وہ تعطیلات میں شہر کے اطراف و اکناف دیہاتوں میں پھرا کرتی تھی۔ وہ اپنے ہاتھوں میں ان گنت پھول سنبھالے سر شام برقی ریل سے واپس ہو جاتے جب کہ شہر تاریکیوں کی آغوش میں جنگ کی دہشت کے باعث سہما ہوتا۔

محاذ قریب تر ہو رہا تھا اور اور لگا کچھ ہراساں تھی۔ آج وہ اپنے بھائی سے کس طرح مل سکے گی جبکہ حالات بالکل ناساز گار ہوں اور اتوار کے دن بورس سے ملنا ضروری تھا۔ وہ کھیتوں سے ہوتے ہوئے گذرے جو خزاں کے باعث عریاں پڑے تھے ان کی مخالف سمت گاڑیاں اور ٹرک چل رہے تھے۔ سڑک پناہ گزینوں سے کھچا کھچ بھری تھی اور ان کے بچے سامان سے لدے چلے آرہے تھے۔ ایک مردہ گھوڑا آسمان کی جانب پیر اٹھائے پڑا تھا اور کہیں پاس ہی سرخ فوج گذر رہی تھی جسکی مسلسل آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

ان کے ارد گرد کی ساری چیزیں نامانوس اور اجنبی تھیں، باڑیں لٹی ہوئی تھیں اور کسی خطرہ کی پیش گوئی کر رہی تھیں۔ میدان میں جھاڑیوں کے

نیچے سرخ سپاہی مشین گنیں لئے چھپے بیٹھے تھے۔ جب وہ پہلے گاؤں میں داخل ہوئے تو وہ تباہ شدہ تھا۔ بالکل ویران کہ ایک پالتو جانور بھی دکھائی نہ دیتا تھا۔ چمنیوں سے دھواں نہ اٹھتا تھا اور مکانوں کے آگے ازکار رفتہ فرنیچر پڑا تھا۔ اس پُرہول خاموشی کے باوجود اولگا اپنی ماں کے پیچھے بڑھی جا رہی تھی جو ثابت قدمی سے اپنا راستہ طے کر رہی تھی۔

دوسرا گاؤں شعلوں کی زد میں تھا۔ جب انھوں نے کسی قدر بلندی پر پہونچ کر دیکھا تو وہیں رک گئے آگ کے شعلے چھتوں پر ناچ رہے تھے۔ کئی جھونپڑیاں جل کر راکھ ہو گئیں یہ ایک پریشان کن اور ترحم انگیز منظر تھا۔ اولگا نے ماں کو پیچھے گھسیٹ لیا لیکن اس نے متانت سے کہا "ہمیں آگے بڑھنا چاہیئے" اور وہ جلتے ہوئے مکانوں کے درمیانی راستوں سے گذرنے لگے۔ اولگا دریچوں میں دیکھنے لگی جہاں شعلے لہرا رہے تھے۔ اس نے دیکھا کہ ایک پردہ جل رہا ہے اور کھڑکی کے سیاہ شیشوں کے پیچھے آگ دمک رہی تھی۔ یہ کوئی خواب تو نہیں! اس کا ایک مانوس گاؤں آج کچھ عجیب مناظر پیش کر رہا تھا۔ پہاڑیاں درختوں سے ڈھکی ہوئی تھیں اور ان کے پیچھے نیلا اور سیاہ دھواں ——— بائیں جانب کہیں سے بندوقوں کی آوازیں آ رہی تھیں — گاؤں پہونچ کر جب وہ ایک کھلے درّے میں داخل ہوئے تو ان کی راہ میں ایک گائے پڑی تھی جس کی گندمی رنگ کی پیٹھ پر سیاہ مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں وہ راستے کے بیچوں بیچ پڑی

تھی۔ اور اس سے کچھ فاصلہ پر ایک ٹوٹی ہوئی گاڑی۔ قریب ہی ایک آدمی کی لاش تھی جس پر کچھ کوڑوں جیسے نشان تھے۔ ایک آنکھ کسی سیاہ مادّہ سے ڈھکی تھی اور دوسری کھلی ہوئی یہ منظر اتنا بھیانک تھا کہ اولگا خوف سے سہم کر رہ گئی۔

وہ اس منظر کو پیچھے چھوڑ کر نکل گئے اور انہیں چبھتی ہوئی سیٹی کی سی آواز سنائی دی۔ ماں رک گئی اور اپنا سر جھکا لیا اولگا نے اسکی پیروی کی۔ گو وہ جانتے تھے کہ وہ غلطی پر ہیں۔ انہیں لیٹ جانا چاہیے اور اپنے چہرہ کو چھپا لینا لیکن انہیں پوسکی تلاش تھی اور اس طرح اگر وہ رکتے رہے تو پھر اس سے ملنا ممکن ہی نہ تھا۔

مٹی کے ٹیلے کے پیچھے ایک بم کے پھٹنے سے دھماکا ہوا اور پھر دوسرا اس گاڑی اور لاش کے قریب —— لیکن وہ آگے بڑھ چکے تھے۔ تب وہ بھاگنے لگے اولگا کے ہونٹ خشک ہو رہے تھے۔ اور قدم کچھ تھکے تھکے سے تھے لیکن وہ بھاگتے رہے۔ اولگا کے ذہن میں خیالات کا ہجوم تھا۔ "وہ ہمیں آزار نہیں پہونچائینگے۔ انہیں ایسا نہ کرنا چاہئیے"

وہ گاؤں جہاں بورس زیر تربیت تھا مسخ ہو چکا تھا اور صرف سیاہ ستون جھلسے ہوئے میدان کی نگرانی کر رہے تھے۔ درخت تک نذر آتش ہو چکے تھے۔ "ماں" اولگا نے کہا۔ "اب ہم کہاں جائینگے"

ماں خاموش کھڑی تھی۔ اور اس پست قامت تھکی ہاری بڑھیا پر اسے رحم آنے لگا۔ "ماں" اس نے دوبارہ کہا۔ "چلو ہم گھر چلیں

تم دیکھتی ہو آگے جانے سے کچھ حاصل نہیں "۔۔۔

"کچھ دور اور چلو" ماں نے جواب دیا " ہم دریافت کرینگے"۔۔۔

انھوں نے پھر میدان کا رخ کیا اور ان تاراج دیہاتوں سے گذرنے لگے۔ ہر طرف ۔۔۔ گھاس پر اور خندقوں میں انہوں نے سرخ سپاہی دیکھے جو بائیں جانب متوجہ تھے۔ تین سرخ سپاہی ایک طرف سے آتے دکھائی دیئے۔ ماں دوڑکر ان کے پاس گئی اور ایک دراز قامت سپاہی سے مسرت آمیز لہجہ میں کہا " اگر میں غلطی پر نہیں تو تم پال ہو"۔ سپاہی کچھ دیر تک پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس مختصر سی عورت کی طرف دیکھتا رہا۔ اور اس نے پھر سنبھل کر کہا۔

" تم بورس کی ماں ہو ۔۔۔ کیوں ہے نا"

" ہاں میں اسے دیکھنا چاہتی ہوں وہ کہاں ہے"۔

"کہاں ہے" پال نے دہرایا" اس پہاڑی کی طرف سیدھی چلی جاؤ لیکن تمہارا وہاں جانا بہتر نہیں اسے پانا مشکل ہو گا۔ اور پھر۔۔۔" وہ یکایک مسکرا دیا

"کیونکہ وہاں حملہ جاری ہے اور ہم محصور ہو گئے ہیں۔ لیکن تم یہاں گھومنے کیسے چلی آئیں"

" میں گھومنے نہیں آئی" ماں نے جواب دیا۔" مجھے بورس سے ملنا چاہیے۔" اس نے یہ جملہ کچھ اتنے متاثر کن انداز میں کہا کہ پال (جو اسی ادارہ سے آیا تھا اور اسی بٹالین سے تعلق رکھتا تھا جس سے کہ بورس)

صرف اتنا کہہ سکا " اچھا جاؤ " ـــــ

ماں لاہبی لاہبی گھاس پر بیٹھی تھی اور اسکے قریب ہی اولگا ایک سرخ سپاہی نے اس میدان کی طرف اشارہ کیا جہاں گھاس اگی ہوئی تھی ۔ میدان سے پرے ایک جنگل تھا اور اس کے پرے ایک پہاڑی پر گاؤں نظر آرہا تھا ۔ ہماری ایک بیاٹری اس گاؤں پر بمباری کر رہی تھی ۔ اور جرمن اس میدان پر ـــــ جہاں اولگا اور اسکی ماں بیٹھے تھے ۔

" انہوں نے ابھی ابھی حملہ شروع کیا ہے ۔ تم چاہو تو یہاں ٹھیر سکتی ہو ورنہ تمہاری مرضی " سرخ سپاہی نے کہا ۔ " کیا تم بورس کو جانتے ہو " ماں نے دریافت کیا ـــ

" ہاں ـــ وہ حملہ میں مصروف ہے "

" وہ کیسے لڑ سکتا ہے " ـــ

" کیوں کیا وہ بزدل ہے ؟ "

اور لڑکے نے جو ایک کسان طالب علم تھا اپنے کندھے پھیڑ کر کہنا شروع کیا " اگر وہ بزدل ہوتا تو ہم اسے اپنی کمپنی میں شرکت کی اجازت کبھی نہ دیتے "

دونوں خاموش ہوگئے اور بغیر کچھ کہے سنے وہ اس پہاڑی گاؤں کی طرف دیکھنے لگے جو شعلوں میں لپٹا ہوا تھا ۔ درختوں کی وجہ سے آوازیں گونج رہی تھیں ۔ لیکن واضح طور پر کچھ نہ سنائی دیتا تھا ۔ آگ کے باعث جنگل جگمگا رہا تھا ۔

ماں اٹھی اور پہاڑی کے دامن کی طرف بڑھنے لگی۔ وہ اپنے بیٹے سے ملنے کی متمنی تھی وہ اپنے لڑکے کو اس جنگل میں ڈھونڈنا چاہتی تھی جہاں جنگ ہو رہی تھی اسکی خواہش تھی کہ بورس کو گاؤں کی سمت رائفل لیکر دوڑتا ہوا دیکھے۔ وہ کچھ دیر کے لیئے رک گئی اگر اولگا کو یہ معلوم نہ ہوتا کہ اس کی ماں مذہبی نہیں تو وہ یہ سمجھنے پر مجبور تھی کہ ماں دعا مانگ رہی ہے اس نے اولگا سے کہا "اب ہمیں چلنا چاہیئے" اور بغیر کسی اور طرف نگاہ کیئے وہ بڑھنے لگی۔

"کیا تم اسکا انتظار نہ کروگی؟" سرخ فوجی چلایا۔

"نہیں —— تمہاری عنایت کا شکریہ —— ہمیں چلنا ہوگا اولگا"

اور وہ سڑک پر پہونچ گئے۔ "اولگا" ماں نے کہا "تم تھک گئی ہو میری بچی"

"نہیں ماں، لیکن مجھے ڈر ہے کہ ہم زندہ نہ بچ سکیں گے۔ مجھے خوف محسوس ہو رہا ہے"

ماں کے خشک ہونٹوں پر ایک پتلی سی مسکراہٹ کی لہر دوڑ گئی۔ "ہمیں کچھ نہ ہوگا اولگا" اسنے کہا اور قدرے توقف کے بعد وہ کہنے لگی۔

"اب مجھے کچھ سکون سا محسوس ہو رہا ہے میں سمجھتی تھی کہ اس کا جسم اور آنکھیں اتنی کمزور ہیں کہ وہ جنگ میں حصہ نہ لے سکیگا لیکن یہ معلوم کر کے اطمینان سا محسوس ہو رہا ہے کہ وہ بھی دوسروں کی طرح جنگ میں مصروف ہے۔ اب ہمیں گھر چلنا چاہیئے۔ تمہیں رات کی ڈیوٹی بجا لانی ہے۔ اور گھر پہونچتے پہونچتے شام ہو جائیگی۔"

اور وہ چھوٹے چھوٹے، ہلکے ہلکے، سیدھے قدم ڈالتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

"خاندان"

" ایک منٹ کے لئے ادھر آؤ مجھے تم سے کچھ کہنا ہے" ہیمون لیونیچ نے کہا

رشا اپنے شوہر کی طرف اس طرح بڑھی جیسے وہ اس چوڑے سینے والے آدمی کو پہلی بار دیکھ رہی تھی۔ اور اسکی اداس آنکھیں ——— جو مدت سے مسکرائی بھی نہ تھیں ——— اس نے اپنے ہاتھ صاف کئے ایک کرسی پر بیٹھ گئی اور کہنے لگی ۔" تم جو کچھ کہنا چاہتے ہو مجھے معلوم ہے"

" تمہیں ——— تمہیں کس طرح معلوم ہوا ؟"

" میرے دل نے محسوس کیا ——— اچھا تم ہی کہو کہ کیا کہنا ہے"

" دروازہ بند کردو ۔ میں نہیں چاہتا کہ علیا سُنے"

" علیا پانی لینے گئی ہے ۔ میں تم سے وہ سب کچھ کہتی ہوں جو تم کہنا چاہتے ہو ۔ اگر میں کوئی غلطی کروں تو تم بتا دینا ۔ کاستیا کی موت کے بعد سے تم جو کچھ کر رہے ہو میں اس سے واقف ہوں ——— ہاں ——— لینن گراڈ کی حفاظت کرتے ہوئے کاستیا نے ایک اچھی اور باعزت

موت پائی۔ ہمیں اس کا بدلہ لینا ہے۔ ہر روز ہر گھڑی ـــــ اوہ! وہ بد معاش۔ کمینے۔ وہ جو کچھ کر رہے ہیں نہایت دہشت خیز اور ہیبتناک ہے۔ میں ان سے نفرت کرتی ہوں تم اپنے بھائی کا پیتا کا انتقام لینا چاہتے ہو۔ تم فوج میں شریک ہو کر مورچہ پر جانا چاہتے ہو ـــــ ہے نا" سیمیون ایونیوچ نے اُٹھکر اپنی بیوی کو لپٹا لیا اور بوسہ دیکر کہنے لگا ـــــ

"دشا تم بڑی سمجھدار عورت ہو۔ تم نے ٹھیک سمجھا اس کے سوا میں اور کر ہی کیا سکتا تھا۔ میں نے درخواست کی خانہ پری کر دی ہے سرخ فوج میں ایک اور سپاہی کا اضافہ ہوگا میں سکون سے کام نہیں کر سکتا میرا خون کھول رہا ہے۔ اب مجھ سے خالی نہیں بیٹھا جاتا۔ میں اب بوڑھا ہوں لیکن پچھلی جنگ میں شریک رہ چکا ہوں اور مجھے اب تک یاد ہے کہ بندوق کس طرح چلائی جاتی ہے۔ میرے پاس وقت کم ہے تم مجھے سامان باندھنے میں مدد دو"

دشا کھڑکی کے قریب پہونچی اور جھانکنے لگی کہ کہیں علیا تو نہیں آرہی آج تعطیل کا دن تھا۔ گلی کوچا کھچا کھچ بھری تھی۔ سڑک پر سواریاں نہ تھیں بلکہ لوگ پاپیادہ ہی جا رہے تھے اور اکثر جلانے کی لکڑیوں اور بوروں سے بھری ہوئی گاڑیاں کھینچ رہے تھے۔ کچھ گاڑیوں پر بوڑھے مرد اور عورتیں شال اور گلو بند

لپیٹے بیٹھے تھے۔ پیپوں، ڈبوں اور بالٹیوں میں پانی جا رہا تھا۔ چارسُو کہرا چھایا ہوا تھا ہوا کے سرد جھونکے چل رہے تھے اور برف اِدھر اُدھر بکھر رہی تھی۔ ہر شخص سیاہ رومال سے اپنا منہ لپیٹے نقاب پوش دکھائی دیتا تھا۔

دشا کچھ دیر تک اس متحرک مجمع کی طرف دیکھتی رہی۔ نقابوں پر سانس کی وجہ سے برف کے نقش و نگار بن رہے تھے اور ان کے منہ سے بھاپ نکل رہی تھی اس مہیب انسانی سیل میں حلیا کو ڈھونڈ نکالنا بہت مشکل تھا۔ وہ آئی نہیں ہوگی۔

"مجھے بھی کچھ کہنا ہے" کھڑکی کی طرف سے پلٹتے ہوئے دشا نے کہا "میرا ارادہ ہے کہ میں اب تمہاری جگہ سنبھال لوں ——— میری بات میں دخل نہ دو اور جو میں کہوں سنتے جاؤ۔ ہمارا شہر گھرا ہوا ہے اور لوگ بڑی تکلیف میں ہیں۔ شہر محاذ بن چکا ہے ——— یہ اخباری اطلاعیں ہیں اور درست بھی ——— اور اس حالت میں جبکہ تم اپنے بھائی کا انتقام لینے جا رہے ہو میں تمہاری جگہ کام کر لوں گی۔ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں مجھ میں قوت ہے سمجھ ہے پھر یہ کام مجھے پسند بھی ہے یقین مانو تمہیں اپنی بیوی کی وجہ سے کسی قسم کی شرمندگی یا خفت نہیں اٹھانی پڑے گی۔ مجھے فرض کا احساس ہے۔ کارخانہ تو میں نے بچوں کی خاطر چھوڑا تھا۔"

" اور ایسے بھی یہی وجہ ہو سکتی ہے "

" کیا وجہ ؟ "

" یو ٹیا ابھی کمسن ہے اور علیا صرف بارہ برس کی ایک نازک لڑکی اگر ہم دونوں چلے جائیں تو گھر کا کیا ہو گا۔ ہمارا مکان تباہ و برباد ہو جائے گا کیا تم نے اسکے متعلق بھی سوچا "

" ہاں میں نے اچھی طرح سوچ لیا ہے " میں بچوں کو یو رو خو فیا بھیج دوں گی وہاں ایک بڑھیا میری دوست ہے اور اس کے بھی اسی عمر کے بچے ہیں۔ وہ میرے بچوں کی دیکھ بھال کرے گی اچھا اب گھریلو باتوں پر زیادہ سوچنے کا وقت نہیں پھر دشمن بھی تو ہمارے گھر برباد کر رہا ہے۔ ہمیں لڑنا ہے اب ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھ سکتے ہماری مدد کوئی نہیں کرے گا اگر ہم نے خود اپنی مدد نہ کی ہے نا سمیون ؟ "

" تم سچ کہتی ہو " سمیون ایوینوچ نے کہا۔

علیا پانی رسوئی میں رکھکر کمرے میں داخل ہوئی اور اپنے ننھے ہاتھ جو سردی کے باعث نیلے پڑ گئے تھے انگیٹھی پر پھیلا دیئے کسی نے اسکی پیٹھ پر آہستہ سے ٹھو کا دیا۔

" ماں ـــ تمہیں آج کیا ہوا ہے ؟ کیا کچھ حادثہ ہو گیا۔ کوئی اور مارا گیا ـــــ مجھے بتاؤ ماں ـــــ مجھ سے نہ چھپاؤ ـــــ "

" میں تم سے کچھ نہ چھپاؤں گی " دشا نے کہا " غور سے سنو کہ ہم نے

کیا فیصلہ کیا ہے" اس نے ایک گہرا سانس لیا اور رک رک کر ایک ایک لفظ ادا کرنے لگی۔ "تمہارے ابا مورچہ پر جا رہے ہیں اور میں کارخانے میں انکی جگہ لینے ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ تم لوگوں کو تمہاری خالہ" لالیا "کے پاس پوروخو فیا بھیج دیں۔ بس یہی"

علیا نے انگیٹھی میں کوئلے ڈالے مدھم شعلوں کی طرف تکتی رہی بغیر سر اٹھائے اس نے دریافت کیا۔ "لیکن میں اور پوٹیا، پوروخو فیا کیوں بھیجے جا رہے ہیں"

"میری لاڈلی! تمہاری دیکھ بھال اس گھر میں کون کریگا۔ روٹی کے لئے گلی میں کون ٹھیرے گا۔ آگ جلانے کی لکڑیاں اور پانی کون لائے گا۔ پوٹیا کو کون سنبھالے گا۔ کوئی اسکی نگہداشت کرنے والا چاہیئے؟ وہ یوں تو نہیں چھوڑی جاسکتی اور جب میں نہ رہوں تو یہ سب کون کرے گا۔

"ماں ہم پوروخو فیا نہیں جائیں گے میں خالہ "لالیا" کو پسند نہیں کرتی وہ بڑی چڑچڑی ہیں۔ کیا گھر کی دیکھ بھال میں نہیں کر سکتی"۔ غصہ سے اسنے اپنا کوٹ اتارا اور اعتماد بھرے لہجے میں کہنے لگی

"کیا اب میں گھر بار نہیں سنبھال رہی ہوں؟ کیا میں پانی نہیں لاتی مجھے معلوم ہے کہ جلانے کی لکڑیاں کہاں ملتی ہیں۔

الوالوا، میری مدد کرے گی میں پکانا جانتی ہوں اور والوا
اور میں گلی میں روٹی کے لئے جائیں گے ہم اب بچے نہیں
رہے آپ دونوں جا سکتے ہیں ـــــ ہماری فکر نہ کیجئے آپ
روز گھر آیا کریں گی اوہ! ـــــ خیر آجکل یہ تو بہت مشکل ہے.
میری اماں آپ پریشان نہ ہوں ہم سب کچھ سنبھال لیں گی ـــــ
جاؤ ماں"

عینی مشاہدے

کچھ روز قبل، یہاں سے قریب ہی میں نے تین پارتی زان جنگجوؤں سے گفتگو کی جو پہاڑیوں جنگلوں اور دلدلوں سے اپنا راستہ بناتے ہوئے جرمن لائن سے دور اسمولنک کے علاقہ سے سرخ فوج اور آزاد روس کو واپس ہو رہے تھے۔ وہ سب لڑکیاں تھیں، پانیا جسکی عمر اکیس سال تھی۔ لیزا کی پچیس سال اور کنیا کی تیئیس — وہ تینوں اپنی رپورٹیں پیش کر کے واپس جانے کا ارادہ رکھتی تھیں۔

"تم ایک پارتی زان کسطرح بن گئیں" میں نے ایک توانا لڑکی سے دریافت کیا جس کی آنکھیں کشادہ اور گال گلابی تھے۔
"ایک باصحت لڑکی اور کیا کر سکتی ہے؟ جرمنوں کے تحت خوشگوار زندگی گذارنا ناممکن ہے ان دنوں اگر ایک نوجوان عورت دیہات میں ٹھہر جائے تو اسکے یہ معنی ہیں کہ وہ فحاشی کے لئے آمادہ ہے اور اس نے جرمنوں کی غلامی کا طوق قبول کر لیا۔ ہر روز جنگلوں میں

متعدد عورتیں ہم سے آملتی ہیں"!
یکے بعد دیگرے گاؤں مسخ ہو رہے ہیں۔ جہاں کہیں بھی پارٹی زان حملہ آور ہوتے ہیں آس پاس کے مقامات کو یہ سمجھ کر کہ انہیں یہاں سے امداد ملی ہے تباہ کر دیا جاتا ہے۔ بوڑھے اور بچے گلیوں میں یہ کہکر چھوڑ دیئے جاتے ہیں کہ "جہاں چاہو چلے جاؤ یہ ہمارا کام نہیں کہ تمہارے لیئے مکانات فراہم کریں"! اسمولنک کے اطراف پچاس کلومیٹر تک تقریباً تمام دیہات جلا کر خاکستر کر دیئے گئے۔
"دیہاتی خندقوں میں پناہ گزین ہیں" اس نے بتایا "وہ فاقہ کش ہیں اور ان کے سینکڑوں بچے بھوک کا شکار ہیں" کتنے روح فرسا مناظر ــــ وہ لکڑی کے برادے سے روٹی بناتے ہیں اور جب جرمن دیہات پہونچتے ہیں تو ان روٹیوں کو دیکھ دیکھ کر قہقہے لگاتے ہیں ــــ اور ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ دیکھو روسی لوگ روٹی کسے کہتے ہیں۔
گذشتہ سال اسمولنک کے قریب تھوڑی سی زمین پر کاشت ہوئی تھی۔ اور اس سال بھی کافی زمین بیکار پڑی ہے۔ یہاں زندگی کے برقرار رکھنے کا ایک ہی ذریعہ ہے ــــ شکار ــــ جرمنوں کا شکار"
"کیا تم نے کبھی خود کسی آدمی کو مارا ہے یا نہیا ؟"
"آدمی! ــــ غالباً نہیں البتہ میں نے چند نازیوں کو مارا ہے"
"تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ تم نے انہیں مارا"
"میں نے ان پر فائر کیئے اور انہیں گرتے دیکھا۔ پھر میں نے ان کی لاشیں

دیکھیں "

" اور بعد میں تم نے کیا محسوس کیا "

" مجھے بھلا معلوم ہوا۔ کیونکہ میں ایک لڑکی ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ انہوں نے ہمارے شہر قصبے اور حسین عمارتیں برباد کی ہیں جہاں نوجوان زندگی سے لطف اندوز ہو رہے تھے مجھے فخر ہے کہ میں نے ایک لڑکی ہوتے ہوئے بھی ان کی راہ میں آفتیں کھڑی کر دیں "

یکایک میں نے پانیا کے پیچھے روس کی ساری جوان نسل کا ایک طویل سایہ دیکھا۔ ساٹھ سے ستّر لاکھ تک لڑکے لڑکیاں تجربات میں منہمک ہیں جن کے نقش قدم اس وقت تک نہیں مٹ سکتے جب تک کہ ہم میں سے کوئی بھی زندہ ہے۔ یہ ایک عام بات ہے کہ ہم امریکی یا برطانوی یا کوئی اور شخص جو حملوں کی زد سے بچا ہوا ہو اور جس کی معلومات کے ذرائع، اخبار، فلم اور الفاظ ہوں جنگ کے بارے میں اتنا واضح نقطۂ نگاہ نہیں رکھ سکتا جو تجربات کے بعد ممکن ہے۔

لاکھوں روسی بچوں نے اپنے ماں باپ، بھائی بہنوں یا ہمسایوں کو مرتے، قتل ہوتے یا بھوک کا شکار ہو کر دم توڑتے دیکھا ہے یا قریب المرگ ——— ان کے مکان نظروں کے سامنے نذرِ آتش ہو گئے۔ ہمارے تاثرات اس وقت تک وہی نہیں ہو سکتے جب تک کہ ہم پر ایسے کٹھن لمحے نہ گذریں۔ کسی کے چھیتے کا کہیں دور

محاذ جنگ پر مر جانا یا سمندر میں غرق ہو جانا یقیناً ایک غمگین واقعہ تو ہو سکتا ہے لیکن انہیں کیا کہیے جو اپنے پاس ہی اپنی آنکھوں کے سامنے کسی کو نذر اجل ہوتے دیکھیں اور واقعہ کے فوراً بعد ہی گو روس میں رہتے ہوئے بھی روسیوں کے دلی تاثرات کا علم مشکل ہے۔ دردناک واقعات اور مناظر بھلائے نہیں جا سکتے

میں رزہیف میں ایک روسی خاندان سے سرگرم گفتگو تھا جنکی کہانی اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ رزہیف کی آبادی کبھی پینسٹھ ہزار تھی۔ گو دور سے یہ اب بھی ایک شہر دکھائی دیتا ہے لیکن قریب پہونچ کر معلوم ہوتا ہے کہ یہ گویا کوئی بڑا اسٹیج ہے جس پہ در و دیوار کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ میں گذر رہا تھا کہ پاس ہی کچھ مکانات ملے جو حملوں کی زد سے بچ رہے تھے۔ کسی کے گانے کی آوازیں سنائی دیں ـــــ ایک مسحورکن روسی موسیقی ـــــ میں رک گیا۔ دوسرے دروازے سے گانے کی آواز آرہی تھی۔ ہر ذہن میں اس خیال کا پیدا ہونا ضروری ہے کہ یہ سحر کار مغنی کوئی سرخ فوجی تو ہو نہیں سکتا۔ وہ وکٹر ولاسکوف ایک سترہ سالہ لڑکا تھا۔

میں کٹی میں چلا گیا اور دوپہر تمام 'علینا' وکٹر اور اسکی ماں سے گفتگو میں بیت گئی جس کا عجیب نام یدوکیا تھا اور اس کا دادا الگزنڈر ولاسکوف روس اور جاپان کی جنگ میں کام آیا تھا۔

ایک یتیم لڑکی علینا مارکوفا سے بھی میری ملاقات ہوئی۔
وہ ایک خستہ لباس پہنے تھی۔ اسکی سیاہ آنکھوں کے نیچے گہرے سیاہ حلقے پڑے تھے اور اپنے نحیف و نزار جسم پر ایک بڑا سر سنبھالے تھی۔ نیم فاقہ کشی اور پیہم صعوبتوں کے باعث چہرے کے خد و خال سے کوئی چالیس سالہ عورت معلوم ہوتی تھی جو زندگی کے سرد و گرم سے بخوبی واقف ہو۔ تیرہ سال ہی کی عمر میں علینا نے اپنے عزیز، رشتہ دار، شناسائی سب کچھ کھو دیئے۔ سوا ایک وکٹر کے جو اسے گلیوں میں پھرتے ہوئے ملا اور اپنے گھر لے آیا۔ علینا ان دو سو افراد میں سے تھی جو اس وقت تک رزہیف میں تھے جب کہ روسیوں نے اسے دوبارہ حاصل کر لیا۔
جرمنوں نے رزہیف پر اکتوبر ۱۹۴۱ء میں قبضہ کیا اور میرے یہاں پہونچنے سے کچھ ہی دن پہلے بھاگے ہیں۔ جرمنوں کے آنے سے پہلے علینا ایک مدرسہ میں زیر تعلیم تھی جو اب تباہ ہو چکا ہے۔ اس کا باپ ایک میکانک تھا اور ماں ایک فیکٹری میں کام کرتی تھی۔ وہ علینا کی دادی سمیت ایک اچھے مکان میں رہتے اور خوشی کے دن گذار رہے تھے۔ اور اب ———
اپنی سنجیدہ آنکھوں سے رنجیدہ انداز میں اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "ایک بم ہمارے مکان پر گرا وہ بری طرح پھٹا لیکن مجھے کوئی نقصان نہ پہونچا۔ جرمن رزہیف پر قبضہ کر چکے تھے

اور وہ ہمارے گھر میں بھی گھس آئے۔ انہوں نے ہمیں ایک کمرے میں رکھ چھوڑا اور ہم سے اپنا سارا کام لیتے رہے مکان کی صفائی، کپڑے دھونا اور بوٹ صاف کرنا ——"

"میرا خیال ہے وہ تمہیں معاوضہ میں کھانا کھلاتے ہونگے"

"نہیں وہ ہمیں کچھ نہ دیتے تھے البتہ ان کے بچے ہوئے کھانے سے ہم اپنی غذا کا بندوبست کر لیا کرتے"

"تم سے ان کا برتاؤ کیسا رہا؟"

"انہیں روسی زبان نہ آتی تھی۔ وہ چلاتے اور ہم ان کا طلب سمجھ کر ان کی ضرورتوں کا اندازہ لگا لیا کرتے تھے"

"لیکن کیا کوئی جرمن کبھی تم پر مہربان نہ ہوا۔ خواہ ایک بار ہی سہی کسی نے تمہیں کوئی کھانے پینے کی چیز نہ دی؟"

قدرے سکوت کے بعد علینا نے نفی میں اپنا سر ہلایا اور میری طرف دیکھنے لگی۔

"ایک بڑا افسر جو ہمارے ہاں رہتا تھا کافی اچھی غذائیں استعمال کیا کرتا ایک بار میں جب اس کے بوٹ صاف کر کے لے گئی تو میں نے اس سے کوئی مٹھائی مانگی اس نے مجھے ایسا دھکا دیا کہ دوسرے لمحے میں دروازہ کے باہر تھی اور ایک مرتبہ کسی چیز کے مطالبہ پر اس نے میرے دھول جما دی"

علینا کی دادی سخت علیل ہو گئی اور شہر میں اس وقت کوئی

ہسپتال کھلا نہ تھا۔ وہ کچھ روز بعد مر گئی اور جرمنوں نے حکم دیا کہ فوراً اسکے تجہیز و تکفین کا بندوبست کر دیا جائے۔ گو علینا کے والدین بھی پہلے سے بیمار تھے لیکن انہیں اس سرما کی رات میں میت کو لیجانا پڑا۔ علینا بھی ساتھ گئی اور واپسی پر اسکا باپ بحدِ فریش علیل ہو گیا اور دوسری صبح اسکا بھی خاتمہ ہو گیا۔

جرمنوں نے انہیں نکال باہر کیا اور وہ قریب کے ایک دیہات میں اپنی خالہ کے پاس چلی گئی۔ کچھ ہی دنوں بعد اسکی خالہ اور اسکا بچہ بیمار ہو کر دوا خانے چلے گئے۔

" میں آٹھ دن دوا خانے میں رہی " علینا نے اپنی شیریں مگر دکھ بھری آواز میں کہا۔

" ہمیں روزانہ صرف سو گرام روٹی کے علاوہ کچھ نہ ملتا تھا۔ روٹی اور پانی میری غذا تھی جیسے ہی میں چل پھر سکنے لایق ہوئی ماں نے مجھ سے چلے جانے کو کہا اس لیے میں شہر لوٹ آئی تاکہ اپنے ماموں کے ہاں رہ سکوں۔ اسکے سات بچے تھے اور وہ سب ایک ہی کمرے میں رہتے تھے کیونکہ تمام مکان پر جرمنوں نے قبضہ جما رکھا تھا۔ لیکن ماموں نے مجھے اپنے ساتھ رہنے کی اجازت دے دی "

" اور تمہاری ماں "

" ایک ہفتہ بعد ایک گلی سے گذرتے ہوئے میں ایک دیہاتی عورت سے ملی جس سے معلوم ہوا کہ میری ماں مر چکی " ان تمام دردناک

واقعات کے بیان کرنے کے دوران میں اس وقت پہلی بار علینا کی آنکھوں میں آنسو امنڈ آئے۔ میں نے اس کی کمر کے گرد اپنا ہاتھ پھیلا دیا اور اس تاریک کمرے کے اطراف جہاں ہم بیٹھے تھے ایک نظر ڈالی۔ تمام دریچوں کے شیشے ٹوٹ چکے تھے۔ البتہ ایک دریچہ کے صحیح و سالم شیشے سے روسی سرما کے سورج کی مدھم شعاعیں داخل ہو رہی تھیں۔ دریچہ کے پاس ایک کھلی کتاب تھی۔ گوگول کا ایک پرانا ایڈیشن جس پر چمڑے کی جلد تھی۔ اور کمرے کے ایک گوشے میں ایک "کنواری" اور ایک بچہ کا سنگی مجسمہ رکھا تھا وہ ماں اور بوڑھا مذہبی تھے گو ان کے دونوں بچوں نے دہریت قبول کر لی تھی۔ ایک کہنہ میز کے پاس کچھ خراب و خستہ کرسیاں بچھی تھیں۔ اس کمرے کے علاوہ مکان کے بقیہ تمام حصہ پر جرمن قابض ہو گئے تھے جو کبھی کبھی منتقل ہوتے رہتے تھے۔ لیکن اب وہ بالکلیہ منتقل ہو چکے تھے جب کہ انہوں نے وہ مکالمہ سنا۔ یہ ایک دہرائی ہوئی کہانی تھی جو انہوں نے مختلف مقامات پر کئی علیناؤں سے سنی تھی۔

"تم اپنے ماموں کے پاس جرمنوں کے ساتھ کیسے رہیں کیا انہوں نے تمہارے کھانے پینے کا کوئی بندوبست کیا"

"شہر لوٹ کر میں سڑک پر کام کرنے لگی۔ میں اینٹ پتھر ڈھوتی اور جرمن مجھے ہر ہفتہ آدھا ڈبہ آٹا اور پانی دیتے۔ میں اس کا

استعمال کرتی رہی جس سے ہمیشہ میرے پیٹ میں درد رہا ۔۔۔"
رزہیف کے قریب جب روسی مدافعت شروع ہوئی اور جرمن
تقریباً تمام شہروں سے نکال دیئے گئے تو مابقی تمام روسیوں کو وہ
اپنے ساتھ لے گئے ۔ علینا کے ماموں کو بھی جانا پڑا لیکن علینا کسی نہ
کسی طریقے سے اس وقت تک وہاں رہی جب کہ رزہیف واپس
لے لیا گیا ۔ شہر چھوڑنے سے دو روز قبل انہوں نے سارے باقی ماندہ
روسیوں کو اس گرجے میں جو تمام شہر میں ایک ہی بچ رہا تھا جمع کیا اور
جن باشندوں نے عذرخواہی یا بچنے کی کوشش کی مار ڈالا ۔
علینا نے یونہی واقعات بیان کئے اور میں نے اس پر یقین کر لیا ۔۔۔
ایک گندی گلی میں کچھ مکانات نسبتاً محفوظ اور اچھی حالت میں تھے
جنہیں میں دیکھنے گیا اور ایک روسی افسر بھی میرے ہمراہ تھا ۔ ایک
بمول اور شل سے محفوظ تھا البتہ فرنیچر شکستہ تھا ۔ تصویریں ردی
ہو گئی تھیں اور کسی قسم کی نمائش نہ تھی ۔ اس میں ایک خاندان آباد تھا جو
اس مکان کے مالک تھے ۔ لیکن جرمنوں نے اپنے دوران قیام میں
ان سے مکان چھین کر انہیں ایک کمرے میں رکھ چھوڑا
سب سے پہلے ہم نے وہاں ایک ماں کی لاش دیکھی جو کمرہ کا تنگ
راستہ روکے پڑی تھی ۔ اس کا سر ایک طرف کو ڈھلکا ہوا تھا اور یوں
محسوس ہوتا تھا کہ کسی مضبوط انسان کے ہاتھوں کی گرفت نے اس کی
جان لی ہے ۔ باپ نیم برہنگی کے عالم میں ایک کوچ پر جھکا ہوا تھا جس

پر ایک قبول صورت لڑکے کی لاش تھی وہ بیماریوں کے باعث بیحد ضعیف ہو چکا تھا اور اس کا ہاتھ کسی شدید ضرب کی وجہ سے ٹیڑھا ہو گیا تھا۔ سر اور سینہ پر ہم سات گولیوں کے نشانات بہ آسانی دیکھ سکتے تھے۔ کچھ ایسے زخم جس سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ حملہ قریب سے کیا گیا۔ اس کے پیچھے دو ننھے بچوں کی لاشیں ایک دوسرے سے چمٹی ہوئی تھیں۔ انہیں بھی اسی طریقے سے قتل کیا گیا تھا اور دوسرے کمرے میں ایک اور مردہ عورت پڑی تھی۔

گلی کی دوسری جانب اسی طرح کا ایک اور مکان تھا۔ ایک عورت کو اسکی خوابگاہ میں نذرِ اجل کیا گیا تھا۔ اور گلی میں ایک خاندان کی لاشیں پائی گئیں جس کا نام سارڈف تھا۔ ماں اور باپ دونوں قتل کر دے گئے بیٹی مجروح تھی۔ لڑکے کی داہنی آنکھ زخمی کر دی گئی اور کاٹیا ناجی ایک پانچ سالہ لڑکی کے سر پہ شدید ضرب آئی تھی۔

علینا نے ایک بوڑھی کی لاش دیکھکر بتایا کہ یہ شدید بیمار تھی اور اسی بنا پر التجا کی کہ اسے گھر چھوڑنے پر مجبور نہ کیا جائے۔ جس کا جواب اسے موت کی صورت میں ملا۔

کئی مشاہدات سے پتہ چلتا ہے کہ جرمنوں نے باقی ماندہ شہریوں کو ان کے مکانوں میں مقفل کر دیا اور پھر انہیں بم اور دھما کو

اشیا سے نیست و نابود کر دیا اس گرجا کو جس میں علینا اور ایک سو پچاس باشندوں کے ساتھ رکھی گئی تھی پھونک ڈالا گیا۔ لیکن کسی نہ کسی صورت وہ بچ نکلی اور دو دن اور تین راتوں تک وہیں رہی جب کہ اطراف و اکناف شل اور بمب پھٹ رہے تھے لیکن ایک صبح اس نے گلی میں ایک سرخ سپاہی کو دیکھا۔ سال بھر بعد آج اسے ایک سرخ فوج کی صورت نظر آئی تھی۔ وہ بالکل باہر نکل کر سپاہی سے لپٹ گئی اور پھر فوراً اپنے چھوٹے چھوٹے قدموں سے جتنا تیز جا سکتی تھی اپنے گھر پہونچی۔ گو اس کے مکان پر جرمن قابض تھے لیکن یہ بات کسی معجزہ سے کم نہ تھی کہ یہ مکان ابھی تک محفوظ تھا جب کہ آس پاس کی ہر چیز تباہ اور برباد ہو چکی تھی۔

"یہ کیسے ممکن ہوا علینا؟"

"وہاں کچھ نہ تھا" اس نے اپنی شرمیلی مسکراہٹ کے ساتھ گھبرائی ہوئی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "کچھ بھی نہیں۔ ایک سماوار تک نہیں۔ جرمنوں نے جانے سے پہلے سب کچھ جلا دیا۔

یہ تھی علینا کی داستان یا اس کے غم انگیز تاثرات ———

جہاں تک وکٹر اور اسکے خاندان کا تعلق ہے۔ وہ اب جرمنوں کے قیدی ہوتے اگر اسکی ماں نے دانشمندی سے کام نہ لیا ہوتا۔ وہ ایک کرسی پر جھکی ہوئی علینا کی کہانی سن رہی تھی اور چہرے سے گہرے غم و اندوہ کے آثار ہویدا تھے۔ اسکی عمر چھتیس

برس کی ہوگی ۔ ایک سن رسیدہ عورت جس نے علینا کی طرح جرمنوں کے
لاتعداد مظالم سہے اس نے ایک معمولی چھینٹ کا سرخ سوتی لباس پہن
رکھا تھا ۔ لیکن اسکے باوجود وکھڑکے بدن پر معمولی ملبوسات بھتے اس
نے بتایا کہ اس کا شوہر اور بھائی سرخ فوج میں ملازم تھے اور ایک سترہ
سالہ بھائی کو جرمنی لے جایا گیا ۔ ایک سال سے زیادہ عرصہ گذرا کہ
اسے ان سے متعلق کچھ نہیں معلوم ۔ وہ خود پوسٹ آفس میں کام کرتی
تھی اور اس نے اپنا کام ترک نہیں کیا یہاں تک کہ دوسرے شہریوں
کے ساتھ اسے بھی پھانس لیا گیا ۔ جرمنوں نے اس سے سارا امکان
چھین کر ایک کمرہ حوالہ کر دیا وہ اسے کسی قسم کی غذا نہ دیتے تھے ۔
وہ آلو بیچتی رہی اور گاہے گاہے دیہات جاکر اپنا سامان بھی
فروخت کر ڈالا اور وہاں سے خورونوش کا سامان لاتی رہی
لیکن ہر بار جب وہ رزہیٹ واپس آتی جرمن اسکے شہر میں داخل
ہونے سے قبل ہی اس کا بیشتر سامان چھین لیتے ۔

" ان لوگوں کا کیا حال تھا جن کے پاس اس قسم کی تجارت کی کوئی
سبیل نہ ہو "

" وہ فاقے کرتے یا محنت مزدوری کرنے جرمنی چلے جاتے اور بیشتر
افراد جرمنی جانے پر فاقہ کرنے کو ترجیح دیتے " اس نے اپنا بیان جاری
رکھتے ہوئے کہا " سرخ فوج کے دوبارہ داخل ہونے سے کچھ ہفتہ قبل
جرمنوں نے ہر اس فرد کو جو زرہیٹ میں رہ گیا تھا ۔ اسمولنسک کے

راستے نکال باہر کیا۔ بلا کی سردی تھی اور ہزاروں مرد و زن، بیمار یا فاقہ کش تھے کئی راستے ہی پر دم توڑ رہے تھے۔ میرا بچہ اور والد سخت علیل تھے۔ والد کو شدید بخار تھا اس لئے انہوں نے جرمنوں سے التجا کی کہ انہیں کچھ دن ٹھہرنے دیا جائے وہ جانتے تھے کہ سرخ فوج آرہی ہے۔ لیکن جرمنوں نے جبراً ہمیں وہاں سے چلتا کیا۔ ہم ہجوم کے پیچھے پیچھے چلتے رہے اور موقع پا کر اور کوردیچ کے گاؤں میں روپوش ہو گئے۔ جب کبھی جرمن ہمارے قریب آتے تو ہم چلانے لگتے "ٹیپ محرقہ" اور وہ ہم سے دور بھاگ نکلتے۔ ہم دس دن تک کسی نہ کسی بہانے بچتے رہے۔ بالآخر سرخ فوج پہونچ گئی جب ہم نے پہلے سرخ سپاہی کو دیکھا تو ہماری آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور ہم نے اس کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔"

جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے۔ صوبہ کالینن کی ایک تہائی آبادی جہاں رزہیف واقع ہے۔ یا پھر کم از کم ۰ ۷ فیصدی باشندے جو وہاں رہ گئے تھے یا تو فاقوں سے مر گئے، یا قتل ہوئے یا پھر انہیں محنت و مشقت کرنے اور مظالم سہنے جرمنی جانا پڑا۔

میرا ایک دوست جو تاریخ کا پروفیسر اور اس تحقیقاتی کمیٹی کا ایک رکن ہے جو اسمولنسک اور لینن گراد کے علاقوں میں (جو دوبارہ حاصل کر لئے گئے ہیں) کام کر رہی ہے۔ اس نے مجھے بتایا کہ "آبادی کی اکثریت موت کی آغوش میں سو چکی ہے۔" اس نے کہا بعض

مقامات پر نصف سے زیادہ باشندوں کو نازیوں نے ختم کیا ہے "۔ راستہ تمام لینن گراڈ سے قفقاز تک اور رزہیف سے ڈون تک میں نے روسیوں کی زبانی اتنے واقعات سنے اور بچشم خود اتنے تباہ شدہ افراد اور خاندان دیکھے کہ مجھے اس کمیٹی کی رپورٹ معلوم کر کے ذرا بھی شبہ نہ ہوا۔ اس کمیٹی نے حالات اتنے سلیقے سے مرتب کئے ہیں اور اتنی تباہیوں کا ذکر کیا ہے کہ تاریخ شاید ہی اسکا جواب پیش کر سکے۔

مجھے موزہیاکس کی اس شریف النفس دہقان عورت کا خیال آیا جس نے مجھ سے بیان کیا کہ جرمن کس طرح اس کے مکان میں رہنے آئے پہلے اسکی گائے لے لی پھر اسکے دوسرے پالتو جانور ـــــــ حتیٰ این کہ اسکے پیروں کے جوتے تک چھین لیے۔ پانچ مہینے بعد سرخ فوج لوٹی اور اس کے "مہمانوں" کو اپنی راہ لینی پڑی جاتے سمئے انہوں نے مکان میں کچھ دستی بم پھینکے اور اسے آگ لگا دی۔ کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ یہہ ایک سرخ فوجی کا مکان ہے جو اس کا شوہر ہے۔ جب وہ اور اسکی بہن اپنے بچوں کو لیکر نکل بھاگے تو اسکی بہن کا بچہ مشین گن کا نشانہ بن کر ختم ہوا۔

ویرا اگا للکینوفا ایک جوان معلمہ جو موزہیاکس سے قریب ایک گاؤں میں کام کرتی تھی۔ اس نے مجھے بتایا کہ جرمنوں کو

یہ شبہہ ہوا کہ اس نے گوریلا سپاہیوں کو پناہ دی ہے۔ اور محض اقرار کی خاطر انہوں نے گرم لوہے کی سلاخ سے اسکے گال داغ دیئے۔ پھر اسے ایک تنگ و تاریک کمرہ میں بند کر دیا گیا جہاں روشنی اور ہوا کے لیے کوئی راہ نہ تھی اور پھر اس میں کچھ اور لوگ بھی آ گئے۔

" ایک دن انہوں نے ہمارے لیے گھوڑے کا کچھ سڑا ہوا گوشت پھینک دیا" اس نے کہا "کئی دنوں بعد ہمیں یہی کچھ ملا تھا اور بیٹھ کر کھانے کے لیے جگہ بھی نہ تھی آدمیوں کی کثرت کی وجہ سے ہم کھڑے کھڑے ہی سوتے۔ میرے قریب ایک آدمی مر گیا جو دوسروں کی مدد سے ابھی ابھی گھڑی بھر کیلئے کھڑا ہوا تھا "

ویرا کو بری طرح پیٹا جاتا تھا یہاں تک کہ اس نے اپنے ہوش و حواس کھو دیئے۔ آخر اس کی بہن کو اجازت دی گئی کہ اسے لیجائے چھ دن بعد جب اسے ہوش آیا تو اسکی بہن نے بتایا کہ کپڑے تبدیل کرنے میں اسکی چمڑی جگہ جگہ سے ادھڑ گئی ہے" جب سرخ فوج آئی تو میں بدستور بیمار تھی" اور آخر میں اس نے کہا۔" میں نے ہفتوں سے سوا سڑے گلے آلوؤں کے اور کچھ نہیں کھایا!"

یہ چند لفظوں کی مختصر سی کہانی آدمی کو گھنٹوں فکر مند

بنا دیتی ہے ۔ اور سننے والے کو بھی اتنی ہی تکلیف ہوتی ہے جتنی کہ اس فرد کو جوان مظالم کا شکار رہا ہو ۔ پھر بھی میں سمجھتا ہوں کہ مکان یا دفتر میں یہاں سے دور رہنے والا اس شدت سے محسوس نہیں کر سکتا ۔ میں ویرا کا چہرا ابھی نہیں بھول سکتا ۔ اور اسکی وہ آنکھیں جن میں ان مظالم کے ہفتوں بعد بھی وہی دہشت جھلکتی رہی ۔ صرف ویرا ہی نہیں بلکہ راستوں سے گزرتے ہوئے کتنے ہی ایسے ستم رسیدہ ملتے ہیں ۔

خارکوف کی آبادی ۹۰۰,۰۰۰ تھی لیکن اب ایک تہائی رہ گئی تھی اور ہر باقی ماندہ شخص ہمیں بیسیوں لرزہ خیز واقعات سناتا ہے جو اس نے خود اپنی آنکھوں دیکھے یا اس پر بیتے ہوں ۔ مشکل سے کوئی عورت یا بچہ ایسا ملے گا جس نے شہریوں کو پھانسی پاتے نہ دیکھا ہو ۔

استالین گراد میں میں نے صرف ایک مکان صحیح وسالم دیکھا ۔ ممکن ہے کہیں بعض اور مکانات ہوں جہاں میں جا نہ سکا ۔ میرے ذہن میں اب بھی وہ مناظر ہیں جب کہ فیکٹریوں اور مکانوں کا ایک جال سا بچھا ہوا تھا لیکن اب میں نے صرف کھنڈر اور ویرانے پائے میری جائے قیام سے کچھ دور ایک پہاڑی پر ایک چھوٹی سی جھونپڑی رہ گئی تھی جہاں ایک ماں اور بچہ رہتے تھے جو تاریخ کی سب سے زیادہ ہولناک لڑائی

کے دوران میں بھی وہیں تھے۔ میں ان سے ملنے چلا گیا کیونکہ استالن گراڈ کے اصلی باشندوں میں بس وہی رہ گئے تھے۔

یہاں ایک بڑا صنعتی شہر تھا جسکی آبادی نصف ملین تھی اور بالکل میرے وطن کنساس شہر کی طرح ——— فوراً بعد ہی میری نظروں کے آگے وہ مناظر آگئے جو ایک شہر کے لازمات سے ہیں۔ حسین عمارتیں، اسکول گرجا گھر۔ تھیٹر، دفاتر، کارخانے وغیرہ لیکن یہاں ویرانی کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ زندگی کے کوئی آثار نہ تھے البتہ کھنڈرات اور غاروں میں کہیں کہیں کچھ بگڑے ہوئے انسانی ڈھانچے نظر آرہے تھے۔

میں نے صرف انہی مقامات کا تذکرہ کیا ہے جسے دیکھنے کا مجھے موقع ملا اسکے علاوہ اور درجنوں علاقے ہیں جو سرخ فوج نے دوبارہ حاصل کئے ہیں جیسے رستوف، کرسنوڈا، وارشلوف گراڈ، کرسک بھی بالکل اسی حالت میں پائے گئے۔ جیسے استالن گراڈ، رزہیف اور خارکوف

لینن گراڈ کے تاریخی ویرانے میں جو یورپ کا ایک حسین شہر تھا وہاں کی ایک تہائی آبادی موت کی آغوش میں سو رہی ہے۔ کیف میں جرمنوں نے شدید غارت گری اور قتل وخون کیا ہے مالولوٹ کے تحقیقاتی بیان کے بموجب "۵۲۰۰۰ مرد، عورتیں، بوڑھے اور بچے قتل کئے گئے۔ یہ ایک سال

پہلے کے اعداد ہیں۔ لیکن آج ؟
نئے یوکرین میں ایک نازی مطبوعہ رپورٹ سے پتہ چلتا ہے کہ "کیف اب ایک بڑا دیہات معلوم ہوتا ہے۔ سارے باشندے دہقان دکھائی دیتے ہیں۔ اب وہاں تین ہزار محنت کش چھوڑ دیئے گئے ہیں"۔

کیف جو کبھی روس کا تیسرا بڑا شہر تھا اور جہاں تقریباً ۲۰۰،۰۰۰ مزدور کام کرتے تھے اب ایک دیہات سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا تو ان دوسرے شہروں اڈیسہ، منسک، نکولاف، اسمولنسک کا کیا حال ہوگا۔

نازی ازم کو کوئی اس وقت تک نہیں سمجھ سکتا جبتک کہ یہ نہ جانتا ہو کہ ہٹلر اپنی پالیسی کو بہ ہزار خرابی روبہ عمل لانا چاہتا ہے۔ اور جبر و تشدد سے اس نے ان انسانیت سوز افعال و کردار کو اپنے عوام سے منوالیا ہے۔ اپنی فتح کے زعم میں اس نے لاکھوں انسانوں کی جانیں گنوائیں انہیں فاقوں کا شکار کیا اور تہذیب کے اس ارتقائی دور میں اپنی بربریت کا ثبوت دے رہا ہے۔ ہٹلر چاہتا ہے کہ روس کا ہر حسین شہر ایک دیہات بن جائے لیکن وہ سارے سرخ فوجیوں کا خاتمہ نہیں کر سکتا جو ایک ایک انچ زمین کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ بہا دینے آمادہ ہوں۔

دوسروں کے جذبات کو اسی رنگ میں سمجھنا دشوار ہے اور ہم روس کو اس وقت تک نہیں سمجھ سکتے جب تک کہ ہم اپنی زندگی سے اسے مطابق نہ کریں۔ میں صرف آپ کو وہاں کے حالات سے کسی حد تک آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔ یہ نہیں کہ جنگ کا رخ کیا ہے۔ کون کون علاقے کس کس کے قبضہ میں ہیں بلکہ ان لاکھوں باشندوں کی المناک زندگیوں کے بارے میں جو موت سے کھیلتے ہیں اور ان کے آس پاس ہر چیز جنگ کی ہولناکیوں کے باعث تباہ و برباد ہو رہی ہے اور موت کے مہلک اثرات ان کے ہوش و حواس پر اپنے سائے پھیلائے ہوئے ہیں۔

لیکن یہ سمجھ لینا غلط ہے کہ وہ بہر طور زندگی گذارنے کے لئے جینا چاہتے ہیں یا موت سے خائف ہیں۔ میں جب لیننسک میں تھا تو استالن گراڈ سے کچھ جرمن قیدی لائے گئے۔ ان کے سروں پر زنانی ٹوپیاں تھیں اور جسموں پر بہ تعداد کثیر زنانی ملبوسات ــــــ یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ روسی تماشہ بیں متحیر ہونگے کہ ان عورتوں کا کیا حشر ہوا جو ان ملبوسات کے چھین لئے جانے پر سردی کا مقابلہ کرتے رہے لیکن انہیں کوئی تعجب نہ تھا۔

وہ پارٹی زان لڑکی جس کا میں نے ابتداء میں ذکر کیا

ہے اسنے مجھے بتایا کہ اسمولنسک کے آس پاس اسکے ساتھیوں سے کیسے شرمناک برتاؤ کیئے گئے ساتھ ہی مجھے یہ معلوم کر کے انتہائی حیرت ہوئی کہ اکثر جرمن اپنے اسلحہ سمیت پارٹی زان دستوں میں شامل ہو گئے۔ اور انہیں اجازت مل گئی۔ لیزنے کہا کہ " ہم صرف ہٹلریوں سے نبرد آزما ہیں ہمیں جرمن عوام سے کوئی بیر نہیں۔ ہم ہر مخالف فسطائی فرد کا سواگت کرتے ہیں خواہ وہ جرمن ہو یا کوئی اور ـــــ ہم میں سب سے اچھا مشین گن چلانے والا ایک جرمن ہے۔ ہمیں اس پر اعتماد ہے اور اسے پسند کرتے ہیں"

میں پانیا، لیزا اور کنتا کو پسند کرتا ہوں اور ان سارے عوام کو جو حقایق کی تہ تک پہونچتے ہیں جو اتنے مظالم سہنے پر بھی ہر جرمن سے ناخوش نہیں جو اچھائی کو پرکھتے ہیں اور بھلائی کے متلاشی ـــــ

گوریلا لڑکی — اینا

جنگ کے ابتدائی ایام تھے۔ ینگ کمیونسٹ لیگ کی ضلع کمیٹی کے تنگ کمرے میں نوجوان صبح تک شور مچاتے رہے۔ کمرے کے ایک طرف بنچ پر انکا سامان جنگ رکھا تھا یہ نوجوان محاذ پر جا رہے تھے۔ ان میکنے جرمن فاشسٹوں کا خاتمہ کرنے جو چوروں کی طرح انکے ملک میں گھس آئے تھے۔ نفرت اور فخر سے انکی آنکھیں دمک رہی تھیں۔

ہر سوویٹ نوجوان اور ہر نوجوان لڑکی کا دل نفرت سے مملو تھا۔ نفرت اپنے ملک کے دشمن، ساری انسانیت کے دشمن سے۔ آخر کار وہ وقت آ پہونچا جبکہ انہیں اپنے ملک کی آزادی اور مسرت کی تلاش میں ایک فیصلہ کن جنگ کے لئے جانا پڑا۔ اور ابتک انہیں ایسی مقدس لڑائیوں کے بارے میں صرف کتابوں سے کچھ حالات معلوم تھے یا ان کے اجداد کی جنگ آزادی کی روایتوں سے۔

اسوقت وہ ضلع کمیٹی کی سکریٹری اینا شبینوک کو گھیرے ہوئے تھے۔ انھوں نے اس کے ہاتھ کو اتنا دبایا کہ وہ درد ہونے لگا۔ وہ اس سے رخصت ہو رہے تھے اور اینا شبینوک پرجوش انداز سے ہاتھ ملا رہی تھی۔

"ہم پھر ملیں گے۔ میں تم سے بالکلیہ رخصت نہیں ہو رہی ہوں۔ کامریڈس ہم اس درندہ صفت ہٹلر کی کھال کھینچ دینگے اور پھر ایک بار ہم ملکر کام کریں گے۔ ان درندوں کو سخت سزا دو۔ انہیں فنا کردو۔"

اس کا چہرہ جوش سے تمتما رہا تھا۔ وہ کسقدر مسرت محسوس کرتی اگر یونیفارم پہن کر فاشسٹوں کے استیصال کے لئے محاذ چلی جاتی مگر ــــــــ

جب نوجوان کمیونسٹ لڑکوں کے قدموں کی آواز گم ہوگئی۔ اور ان کے فوجی گیتوں کی تانیں لطیف ہواؤں میں کھوگئیں تو اینا شبینوک اپنی ساری طاقت سے اپنا جسم گھسیٹتے ہوئے ان لڑکیوں کے قریب پہونچی جن کے ابروؤں پر ابھی تک شکنیں تھیں اور ان نوجوانوں کے قریب جو رہ گئے تھے۔

"تم سب خاموش کیوں ہو۔ ہمیں اپنا کام شروع کر دینا چاہئے کامریڈس"۔ اور اینا شبینوک ان لڑکوں اور لڑکیوں کے ساتھ ریلوں، سڑکوں، کنوؤں اور کھیتوں کی محافظت

میں مشغول ہوگئی ۔ رات کے کسی گھنٹے بھی اس ینگ کمیونسٹ لیگ کے مختصر کمرے میں ٹیلیفون موصول ہوتے ۔ ضلع کمیٹی سے ضلع سوویٹ سے اور دفتر ملیشیا سے ۔

"شبہنوک ۔ کیا تم ہو"

" ہاں ۔ میں ہوں "

" کیا تم ایک گھنٹہ بعد مجھے پچاس کمیونسٹ لڑکے بھیج سکتی ہو"

" ہاں بھیج سکتی ہوں ۔ مگر کس قسم کا کام ہے"

" خندقیں کھودنی ہیں ۔ تو تم کب بھیجوگی "

" ایک گھنٹہ بعد "

محاذ ضلع سے قریب اتر ہوتا جا رہا تھا ۔ پہلے زخمی سپاہی شہر لائے گئے ۔ لڑکیاں دواخانوں میں کام کرنے گئیں اور خود اینلانے بھی وہاں کام کیا ۔ وہ اپنے آرام کی ہر ساعت زخمی سپاہیوں کے لئے دینے لگی ۔

فاشستی لٹیرے قریب پہونچ گئے ۔ ہر ہمسائے میں بم پھٹنے لگے ۔ اور آس پاس کے گاؤں سے لوگ پناہ لینے آرہے تھے ۔ تھکے ماندے، زخمی خون میں لتھڑے ہوئے ۔ وہ ہٹلری کتوں کے بہیمانہ مظالم کے واقعات سناتے تھے ۔ جنہوں نے بڈھوں کو زندہ جلا دیا، ماؤں کی موجودگی میں لڑکیوں کی عصمت پر حملہ کیا، حاملہ عورتوں کے پیٹ میں خنجر گھونپ دیئے، اور مدرسہ

جاتے ہوئے لڑکوں کو کنوؤں میں پھینکدیا۔

اینا شبیولوک کا چہرہ تمتما اٹھا۔ اور حسب معمول نوجوان اسے گھیرے ہوئے تھے۔ "اینا، اب کیا ہوگا؟ جرمن بڑھتے جارہے ہیں، وہ قریب پہونچ گئے"

"ہاں وہ سوّر قریب پہونچ گئے، لیکن ہمیں ہر چیز کے لئے تیار رہنا چاہیے، جنگ بہرطور جنگ ہے، کامریڈس"

اینا کمرے میں ادھر ادھر ٹہلتی رہی۔ پھر اسنے کامریڈس کی طرف رخ کیا، اسکا چہرہ زرد پڑ چکا تھا۔

"خود اپنے ملک میں جرمنوں کے محکوم رہنے سے مرنا بہتر ہے۔ ہم ان فاشسٹ کتّوں سے انکی ہر قابل ملامت حرکت کا انتقام لیں گے"

"اس کے یہ معنی ہیں کہ ہمیں گوریلا میں شریک ہوجانا چاہئے" ایک کم عمر لڑکی نے انتہائے مسرت میں دھیمی آواز سے کہہ دیا۔

"ہاں ہمیں شریک ہونا چاہیے"

اینا شبیولوک اور دوسرے ینگ کمیونسٹ لیگی روانہ ہوگئے اور وہ ہر گھر پر جاتے تھے، اینا کی پرجوش آواز گونج رہی تھی جبکہ وہ وہاں کے باشندوں کو گھر بار، کھیت اور باغ چھوڑنے کو کہہ رہی تھی تاکہ جنگلوں میں جاکر گوریلا میں شریک ہوں اور فاشسٹوں کو ہر کہیں تنگ کرسکیں۔

"لڑکیو! عورتوں!!" اینا نے جوشیلے انداز میں انہیں مخاطب کیا "ان فاشسٹ کتوں کو ملک سے نکال باہر کرو۔ اور محض اس لیئے کہ ان کھیتوں کو خود ہم نے سینچا ہے۔ اپنے بچوں کی نگہداشت خود ہم نے کی ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ انہوں نے آس پاس کے دیہاتوں میں کیا کیا ہے"—— اور اینا نے فاشسٹیوں کے بہیمانہ کارنامے سنائے، بوڑھی عورتیں، عورتیں، لڑکیاں، لڑکے ہمہ تن گوش تھے۔

"ہمیں کیا کرنا ہوگا۔ ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ بہن" انہوں نے پوچھا "انتقام" اینا چلّائی۔ "انتقام اپنے ملک کے دشمنوں سے" جنہوں نے معصوم بچوں کا خون بہایا، لڑکیوں کی عزت ریزی کی، ہر قدم پر انہیں پریشان کردو۔ تاکہ ان نہنگوں کو معلوم ہو جائے کہ ہماری لڑکیاں اور عورتیں وطن کی خاطر زندگی کا خاتمہ بھی کرسکتی ہیں۔ لیکن جرمن کتوں کی اطاعت نہیں کرسکتیں۔ ہم ان پر آفتوں کے پہاڑ توڑ دیں گے۔ چلو ہم جنگلوں کا رخ کریں اور گوریلا میں شریک ہوجائیں۔ "لیکن ہمارے گھروں، اور اناج کا کیا ہوگا۔ اے لڑکی" تجربہ کار عورتیں دریافت کرنے لگیں۔ "مکان، اناج، مٹی کا تیل، چلادو، ہر چیز جلادو" اینا نے کہا "اور ان سوّروں کے اسی دھوئیں میں دم گھٹ کر مرنے دو"۔ ہم جرمن درندوں کو اپنی کوئی اچھی شئے نہ لینے

دیں گے۔ انہیں بھوکوں مرنے دو۔ وہ ہماری غذائیں کھانا چاہتے ہیں۔ تاکہ تازہ دم ہوکر روس کے دوسرے دیہاتوں پر حملہ آور ہوسکیں۔ لیکن یہ نہ ہوسکے گا۔" اینا کے پرجوش الفاظ نے عورتوں کے دلوں پر گہرا اثر ڈالا۔ "یہ نہ ہوسکے گا" عورتوں نے فیصلہ کرلیا۔ "ہم اپنے اناج کے بھنڈار جلا دیں گے مگر کتوں کو حاصل نہ ہونے دیں گے"

"وہ وقت بھی آئے گا۔ کامریڈس، عورتو، جب ہم پھر اناج حاصل کریں گے۔ نئے گھر بنائیں گے۔ لیکن اب ہمیں ذلیل کتوں کو ہراسان کرنا ہے۔ تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ وہ ملک پر راج نہ کرسکیں گے!"

عورتوں نے اینا کو گھیر لیا۔ اور اس سے باتیں کرنے لگے۔ "کمینے جرمن ہمارے آقا نہ بن سکیں گے ہم انہیں قتل کر دینگے، انکے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں گے۔ پیاری لڑکی ہماری رہبری کر، ہمیں بتا کہ کہاں جانا اور کیا کرنا ہے"

ضلع کے اکثر باشندوں نے اپنے گھر چھوڑ دیے۔ اناج جلادیا اور جنگلوں کی راہ لی۔ روسی لڑکیوں اور نوجوانوں نے شینوک کا ساتھ دیا اور وہ ان سب کو گوریلا میں شریک کرنے لگی۔

"شکریہ۔ شینوک" گوریلا کمانڈر نے کہا۔ "یہ قبل از وقت ہے" بے خوف لڑکی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور اسی وقت وہ اپنی

رائفل کی جانچ کر رہی تھی۔
اس نے پہلے ایک چھوٹے سے گاؤں کو آگ لگادی جس میں بہت سے فاشستی فنا فی النار ہو گئے۔
جنگل میں ینگ کمیونسٹ لیگ کے لڑکوں اور لڑکیوں کا ایک جلسہ منعقد ہوا۔ وہ آگ کے گرد بیٹھ گئے۔ اور اپنے لئے ایک سکریٹری کا انتخاب کیا۔
" اینا شبینوک کا انتخاب کرو" ہر طرف سے صدائیں بلند ہوئیں " بہت خوب" لڑکی نے کہا۔ اور اسی جنگل میں تاروں بھرے آسمان کے نیچے اسنے قسم کھائی کہ وہ اپنے وطن روس کے لئے اپنا جوان خون چھڑک دے گی۔
وہ حوصلہ مند لڑکی جو ایک قوی دل و دماغ کی مالک تھی۔ اسنے دشمنوں کے جائے قیام میں پہونچکر ان کے اہم سامان جنگ کو پھونک ڈالنے کا ارادہ کیا۔ جب وہ لوٹی تو تھکن سے چور تھی اور اسکے جسم پر کانٹے دار جھاڑیوں کی وجہ سے خراشیں پیدا ہو گئیں تھیں، لیکن وہ بیحد مسرور اور بشاش تھی۔
" میں نے اپنا کام پورا کر دیا" اسنے کمانڈر کو اطلاع دی۔
ینگ کمیونسٹ لیگ کی پیاری گوریلا لڑکی، اینا شبینوک کا نام کئی دیہاتوں اور شہروں میں پھیل گیا۔ جس نے دلدلوں کو عبور کیا اور سرخ فوج کو اہم خبریں پہونچائیں۔ یہ ہماری اینا شبینوک

ہے جو گوریلا فوجی احکام کی پابجائی میں گھوڑے دوڑاتے پھرتی ہے۔ نڈر اینا جوراستوں پر جرمنوں کو تہ تیغ کرتی ہے۔ اور جو مادر روس کی اس لڑائی میں لڑکیوں اور لڑکوں کی رہنمائی کرتی ہے۔ غیور اینا شبینوک جوینگ کمیونسٹ لیگ کی گوریلا جماعت کی سکریٹری ہے۔

سوویٹ لڑکی اینا شبینوک پر گیت لکھے جائیں گے اور حکومت نوجوان جانباز عورتوں کی تمغوں سے حوصلہ افزائی کرتی ہے۔

اینا کے ساتھ کئی اور لڑکیاں بھی اپنے جیتے دیس کی مدد کو نکل پڑیں۔ ذکلوشا گلیونکو، ناڈیا جھکوخکایا، کاتیا سماکو فکایا، اپنے بھائیوں کے دوش بدوش گوریلا فوج میں شریک ہوکر برسرپیکار ہیں۔ انہیں ہتیاروں کا استعمال آتا ہے اور مردوں کے ساتھ ساتھ انہوں نے پل اڑا دیئے اور جرمن کوارٹر جلا دیئے وہ جنگلوں میں رہتے ہیں زخمیوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں، ان کے لئے کھانا تیار کرتے ہیں، اور ان کے زخم دھوتے ہیں۔

ایک شام نوجوان گوریلا ریڈیو سٹ کے آس پاس بیٹھے تھے۔ اور لفظ بہ لفظ غور سے سن رہے تھے جو کہ... ماسکو سے نشر کیا جا رہا تھا۔ دفعتاً اینا شبینوک کا چہرہ دمکنے لگا۔

ناشر کی صاف آواز سنائی دے رہی تھی۔
"وکٹر تالالیکھن کا پیام سنئے جو سوویٹ یونین کا ہیرو
اور طیارچی ہے اور یہ پیام گوریلا لڑکی اینا شبنیوک کے نام ہے!"
"اینا۔ یہ تم سے مخاطب ہے اینا" تمام کامریڈس نے کہا۔
لیکن اینا پہلے ہی ریڈیو سٹ کے قریب کھسک چکی تھی۔
وہ خاموش تھی، اور سب خاموش ہو گئے۔ ایسا سکوت تھا
کہ درختوں کی سرسراہٹ بھی آسانی سے سنی جا سکتی تھی۔
"کامریڈ اینا شبنیوک، کیا تم مجھے سن رہی ہو، تم سے
وکٹر تالالیکھن مخاطب ہے۔" "ہاں میں سن رہی ہوں" اینا
کی زبان سے بے ساختہ الفاظ نکل گئے۔ اسکا دل بلیوں
اچھلنے لگا، "تم نے مجھے کبھی نہیں دیکھا، اور نہ میں نے ہی کبھی
تمہیں دیکھا ہے۔ لیکن میں ایک نوجوان طیارچی ہوں اور تم
ایک جوان گوریلا لڑکی مسلح کامریڈس، بس یہی رشتہ کافی ہے۔
میں تمہیں سلام کرتا ہوں، تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں، اپنے تمام
دوستوں، طیارچیوں کی طرف سے"
اینا شبنیوک بیحد مسرور تھی، اسکے چہرے پر مسرت کی لہریں
دوڑ گئیں۔ وہ لوگ اس کا شکریہ ادا کر رہے تھے۔ خود اسکی سرخ
فوج اس کا شکریہ ادا کر رہی تھی۔
ہم تمہارا شکریہ ادا کرتے ہیں، اور تمام گوریلا سپاہیوں کا

جو سرخ فوج کو جرمنوں کے استیصال میں مدد دے رہے ہیں
ہم سب کمانڈر اور سرخ سپاہی، تمہاری جانبازی کا اتباع
کر رہے ہیں۔ پیارے گوریلا لڑکیو اور لڑکو۔ ہر وقت ہمیں
اطلاع ملتی ہے کہ گوریلا دستے نے فاشستی ہوائی اڈے
جلا ڈالے، جرمنوں کے کوارٹروں کو آگ لگا دی، ہٹلری بابو
کو گڑھوں میں گرانے کا انتظام کیا" ہم یہ سب سن سن کر بیحد
خوش ہوتے ہیں۔ ہم تم پر فخر کرتے ہیں اور ہم ان خونخواروں کو
اور زیادہ شدید نقصان پہونچانا چاہتے ہیں"

"اینا شبینوک میں نے سنا ہے کہ تم نے کئی فاشسٹیوں کا
کام تمام کیا ہے۔ میں تم پر فخر کرتا ہوں، جوان مرد اور عورتیں
تمہارے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں یاد رہے کہ تم جہاں بھی
جاؤ گی، یا پیادہ یا گھوڑے پر، جنگلوں میں یا دلدلوں میں۔ اور
فوجی احکام کے تحت، فوجی مقاصد کے لئے گوریلا دستہ تمہارے
ساتھ ہوگا میں بھی معہ اپنے طیارے کے تمہارے ساتھ ہوں۔
اکیلا اور وہی ستارا ہم پر چمک رہا ہے اینا، ہمارے سروں پر
ایک اور وہی سوویٹ آسمان ہے، کیا تم سن رہی ہو اینا؟"

"ہاں میں تمہیں سن رہی ہوں" اینا زور سے چلائی۔ لیکن
یکایک ایک سیٹی سی سنائی دی، اور وہ لڑکی اب اس ہوا باز
کے الفاظ سمجھ نہ سکی۔ یہ کیا ہے کیا ہوا۔ یہ کیا توہین ہے، ہر لفظ

کتنا پیارا تھا۔

اور یک بہ یک پھر اس نوجوان طیارچی کے الفاظ سنائی دینے لگے۔

" اینا شبینوک۔ مجھے یقین ہے کہ ایک روز ہم ماسکو میں ملیں گے۔ ہمارا پیارا صدر مقام، جب کہ ینگ کمیونسٹ لیگ کی کانفرنس ہوگی اور ہم بڑی گرمجوشی سے مصافحہ کریں گے۔ لیکن اگر ہمیں اپنے محبوب وطن کی خاطر قربان ہو جانا پڑے ساری انسانیت کی بہبود کیلئے، تو ہمارے کامریڈ، سوویٹ کے نوجوان، لڑکے لڑکیاں ہمیں اچھے الفاظ سے یاد کریں گے۔ وہ کہیں گے " وکٹر ٹالالیکھن کی پرواز بیکار ثابت نہ ہوئی۔ اینا شبینوک کی جدو جہد بے سود نہ تھی"۔ بڑھے چلو کامریڈس، گوریلا، اٹھو اور دشمنوں پر چھا جاؤ "

اینا شبینوک اچھل پڑی۔ اسکی آنکھیں خوشی سے چمک رہی تھیں۔

"کامریڈ لڑکیو، ینگ کمیونسٹ لیگ کے جوانو! اس دنیا میں جینے کی مجھے تمنا ہے لیکن یہ فاشسٹ خونخوار درندے، کوئی رحم نہیں کرتے ــــ"

" شبینوک " ہمیں کمانڈر کے ہاں جانا چاہیے" " غنیم کی فوج کا جائزہ لینے "کسی کی آواز سنائی دی۔ اور اینا شبینوک جا چکی تھی ــ

"تباہ کُن فوج کی ایک لڑکی"

ایک مطمئن گول چہرہ، نفیس بال، نیلی مسکراتی ہوئی آنکھیں، بچکانی لب، اسے دیکھنے کے بعد تعجب ہوتا ہے کہ یہ کس قسم کی جنگجو ہے۔ اور ابھی کچھ ہی دن ہوئے کہ وہ کھیل کود میں مصروف تھی۔

ٹھیک یہی کمانڈر نے بھی سوچا جبکہ رایا ایوبچنکو نے اسے اپنی درخواست پیش کی جس میں اس نے واضح طور پر لکھ دیا تھا کہ وہ رہیا اسٹیپا نوفنا ایوبچنکو عمر بیس سال، فوراً سرخ فوج میں بحیثیت رضاکار شریک کرلی جائے۔

یہ جنگ کے پہلے دن کی بات ہے۔

کمانڈر مسکرایا۔ رایا کی بھویں سکڑ گئیں۔

"نہیں اے پیاری لڑکی۔ میں مجبور ہوں"

لیکن رایا ایوبچنکو سے پیچھا چھڑانا آسان کام نہ تھا۔

فیکٹری (کارخانے) کے تمام جواں سال مزدور اس اوزار بنانے والی لڑکی کی ثابت قدمی سے واقف تھے۔ اگر کوئی بات اسکے ذہن میں آجائے تو وہ اسکے لئے ضرور کوشاں رہتی۔ اور بغیر اپنا

ارادہ بدلے تگ و دو کئے جاتی ۔ وہ ایک چھوٹے سے دیہات میں رہتی تھی ۔ ایک روز اسے ایک شہر کے فیکٹری ورک شاپ اسکول میں تربیت حاصل کرنے کے لئے جانے کا ارادہ کیا ۔ تب اسے خیال آیا کہ کسی بھی جتن سے اسے ماسکو جانا چاہیے ۔ اور وہ ماسکو پہنچ کر ایک کارخانے میں اوزار بنانے کے کام پر مامور ہو گئی ۔ اس نے سوشلزم کتابیں پڑھیں اور اب ایک اعلیٰ ادارہ میں تربیت حاصل کر رہی تھی ۔

رایا کمانڈر کو سمجھا رہی تھی کہ اسے شریک کر لیا جانا چاہیے ۔ غصہ کی حالت میں اور غضب آلود نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اسنے بتایا کہ وہ رائفل سے مانوس ہے ۔ فٹ بال کھیل چکی ہے ۔ پانسو (۵۰۰) گز کی دوڑ میں حصہ لیا ہے اور ایک مضبوط دست و بازو کی لڑکی ہے ۔ کمانڈر بے بس ہو گیا اور رایا " تباہ کن فوج " میں شریک کر لی گئی پھر بہت جلد کمانڈر کو نادم ہونا پڑا جب کہ رایا کے داخلے کے فوراً بعد ینگ کمیونسٹ لیگ کے نوجوان ارکان اسکے کمرہ میں داخل ہوئے اور معلوم ہوا کہ رایا اوزار بنانے والوں کی اس جماعت کی سکریٹری ہے ۔ اور سبھوں نے درخواست کی کہ انہیں بھی شریک کر لیا جا کر محاذ پر بھیج دیا جائے ۔

رایا نہایت شادماں تھی اور فوجی لباس زیب تن کر رہی تھی وہ پابرہنہ نسوانی انداز میں چل رہی تھی کیونکہ اسے فوجی بوٹ

نہیں دیئے گئے تھے۔ اور اسی طرح وہ بحیثیت ایک فوجی کے ماسکو کی گلیوں سے گذر رہی تھی۔ دوسرے فوجی اسے "یا برہنہ جنگجو" کہہ رہے تھے لیکن وہ خاموش ہی تھی۔ اسنے سوچا کہ "آدمی ہمت سے کام لے تو برہنہ پیر اسکے لئے کوئی رکاوٹ نہیں"

ہاں! برہنہ پیروں نے کوئی مزاحمت نہ کی۔ اس رات جب کہ فاشسٹیوں نے ماسکو پر ہوائی حملہ کردیا۔

رایا ایو یچنکو نے ابھی تین سو گرام صحت مند خون زخمی فوجیوں کیلئے دیا تھا۔ اس کے بازو پر ابھی تک گاج کی پٹی لپٹی ہوئی تھی اور اسے ہلکا ہلکا درد محسوس ہو رہا تھا۔ کہ فوراً تیار ہو جانا پڑا، اور اسنے اپنی رائفل سنبھال لی۔

آتشزدگی ہو رہی تھی۔ کمانڈر نے انہیں حکم دیا کہ وہ کارآمد اشیاء بچا لائیں۔ یہ ایک خطرناک کام تھا جسمیں جان کے لالے تھے۔ شعلے بھڑک رہے تھے لیکن کسی بھی فوجی نے اپنی زندگی کے متعلق نہ سوچا۔

"ہم یہاں ہیں کامریڈ کمانڈر" انہوں نے جواب دیا رایا اچھل پڑی اور اسنے بھلا دیا کہ ابھی وہ تین سو گرام خون دے چکی ہے۔

"کامریڈ کمانڈر میں التجا کرتی ہوں کہ مجھے اجازت دیجائے" اسکی آواز میں اتنا عزم اور استقلال تھا کہ کمانڈر اسے روک نہ سکا۔ وہ بہادر کمسن لڑکی دہکتی ہوئی آگ میں کود پڑی۔ اور اپنے

ننھے مضبوط ہاتھوں سے اسنے حکومت کا سامان بچایا۔
سارے فوجی حیران تھے کہ یہ کم عمر برہنہ پا لڑکی کس قدر جانکاہی۔ اور عجلت سے کام کر رہی ہے۔ لیکن رایا خیال کر رہی تھی کہ وہ سستی سے کام کر رہی ہے۔ اور اسے تیزی سے تمام اشیاء بچا لانی چاہئیں۔ وہ شعلوں سے ایک شئے بچا لاتی اور پھر دوسری کے لئے لپک جاتی اور پھر تیسری۔ اور اسیطرح۔ اسکا چہرہ اسکے بال دھوئیں سے سیاہ پڑ گئے تھے۔
کچھ دن بعد جب رایا دوسرے فوجیوں کے ساتھ کھانا کھانے میں مشغول تھی تو ایک خبر رساں طعام خانے میں داخل ہوا۔
"ایونخینکو۔ چلو تمہیں میجر نے بلایا ہے"
لڑکی گھبرا گئی۔ کیا اس سے کوئی غلطی سرزد ہوئی؟ لیکن اسے معلوم نہ تھا کہ حکومت نے اسکی بہادری کے صلہ میں انعام دیا ہے۔
وہ بوکھلائی ہوئی اپنے افسر کے ہاں پہونچی۔
"رایا ہم تمہیں ہوا میں اچھال دینا چاہتے ہیں" اس نے بزرگانہ شفقت سے کہا۔
شب و روز ہمارے سپاہی ماسکو کی حفاظت کرتے ہیں رات دن شجاع لڑکی رایا ایونخینکو ہماری حفاظت پر مامور رہتی ہے۔ وہ رات کے لباس میں اپنی مونس اور سچی رفیق بندوق

تھامے ہوئے ہے۔ رایا ایوبخنکو کا نشانہ بہت صحیح ہے۔ اور جب وہ اپنی رائفل سنبھالکر نشانہ لے تو دشمن کے سیاہ دل پر گولی کا جا لگنا ضروری ہے۔

آج رایا غیر معمولی کام سے قبرستان پر متعین تھی اسکی متجسس آنکھیں آسمان پر لگی ہوئی تھی اور اس کے کان آہٹ پر، چاندکی کرنیں پھیلی ہوئی تھیں اور سرد ہوا تھپیڑے مار رہی تھی۔

راستوں پر سائے متحرک تھے، وہ اپنے کام میں منہمک تھی، لڑائی کے تمام اصول و آئین سے واقف، کل ہی ایک مصنوعی حملہ کے بعد کمانڈر نے اسکی تعریف کی تھی۔ رایا ایک ذہین اسکاوٹ تھی۔

جب اسے حکم دیا گیا تو بیرونی اخباری نمائندوں سے ملاقات کرنی پڑی۔ ہر شخص اس بہادر لڑکی سے ملنے کا متمنی تھا جس نے ابھی اپنی زندگی کی صرف بیس (۲۰) بہاریں دیکھیں ہیں۔

" اسوقت جب کہ تم اپنے محافظتی کام پر متعین ہو اگر ایک بم گر جائے تو کیا کروگی "

" میں اپنا کام جاری رکھونگی " لڑکی نے اطمینان سے کہا۔ " میں آواز سے اندازہ کروں گی کہ بمب کہاں گرا ہے، اگر کہیں قریب ہو تو میں میدان میں لیٹ جاؤں گی۔

" لیکن اگر تمہاری آنکھوں کے سامنے کوئی چھتری والا جرمن

سپاہی اتر پڑے تو تم کیا کرو گی" دوسرے اخبار نویس نے دریافت کیا۔ رایا کی بھویں تن گئیں۔ اسکی اس مختصر سی فوجی زندگی میں ایسا وقت کبھی نہ آیا تھا۔

"میں اس کا سر قلم کر دوں گی" وہ غضب آلود لہجہ میں چلائی اور اس کی نیلی مسکراور آنکھیں شعلہ بار ہو گئیں۔

رایا کسی جرمن افسر کو اپنے ہاتھوں قتل کرنے کی تمنا رکھتی تھی۔

" اور اگر خود تمہارا خاتمہ ہو جائے تب؟ کیونکہ جنگ بہرحال جنگ ہے"

" اوہ! میں ختم ہونا نہیں چاہتی، رایا نے اپنے سنہری بالوں کو جھٹکا دیتے ہوئے کہا۔" تاوقتیکہ میں کوئی نمایاں کام نہ کر جاؤں"——

اس طرح اس حیرت انگیز لڑکی نے موت سے نفرت کا اظہار کیا وہ نفرت جو مادر روس کی محبت کی وجہ سے پیدا ہوئی۔

ہاں۔ تم انہیں ختم نہیں کر سکتے نہ ہی انہیں الّو بنا سکتے ہو۔ اور ساتھ ہی مجھے جرمن نشر کی ہوئی ایک خبر یاد آگئی۔

"شادی" دھوکہ سے، جس کے ذریعہ ہٹلریوں نے جرمن لڑکیوں کو بہکایا۔ اور یہ ریڈیو پر کہا گیا تھا۔

ایک سجا ہوا نفیس کمرہ جہاں سے محاذ کے لئے پیام نشر

کئے جاتے ہیں۔ تقریباً ایک درجن دلہنیں کمرے میں، موجود ہیں۔ میز پر ایک قطاریں دُلہوں کے فوجی فوٹو درکھے ہیں۔ اور دُلہے محاذ پر ــــ

جرمن فوج کی اعلیٰ کمان کے نمائندے سنجیدگی سے نشر کرتے ہیں کہ بیاہ شروع ہوا۔ یکے بعد دیگرے دُلہن مائکروفون پر آتی اور " ہاں" کہہ دیتی ہیں اسی متانت سے جیسے بھیڑ۔ پھر یہ لیڈ یا ئی نداجیہ ختم ہو جاتا ہے۔ اور حقیقی دلہوں کی بجائے دوسرے ہٹلری چوپائے ڈیو ہرہر کی عنایت سے قائمقام ہو جاتے ہیں۔ وہ انھیں۔ اپنے مراکز پر لیجاتے ہیں جیسے کہ وہ گائیں ہیں۔ اور دو افتادہ سپاہی واپس آکر اس قسم کی اولاد کے اصلی باپ کو تلاش کریں گے۔ دن دھاڑے ہٹلری لیٹرے معصوم لڑکیوں کا اغوا کرتے ہیں۔ اب وہ روسی لڑکیوں پر اپنے ہاتھ پھیلانا چاہتے ہیں۔ لیکن تم انھیں بیوقوف نہیں بنا سکتے روسی لڑکی بہرکیف ایک روسی لڑاکی ہے۔ سوویٹ لڑکیاں ان درندوں کے ہاتھ قطع کر دیں گی جو ان کی رسیلی جوانیوں پر پھیلائے جا رہے ہیں ان کی آزادی، اور ان کے ملک پر ــــ

ساری تعریف و توصیف ان لڑکیوں کو زیبا ہے اور رایا کو جو اپنے ملک کے لئے، ساری انسانیت کی بہبود کیلئے برسر پیکار ہے اور ہمیں یو جینکو پر فخر ہے کہ مادر روس کیلئے اسکا وجود بے سود نہیں۔

"انتقام"

جنگ کے اوّلین دنوں میں لیزا یرشوفا محاذ پر گئی۔

"لیزا تم واقعی خوش قسمت ہو" اسکے دوستوں نے کہا۔ جب وہ پچٹنیلم میں اسے رخصت کر رہے تھے۔

ہر کوئی ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ انکے ساتھ انکا تمام ضروری سامان اور اسلحہ تھے۔ اور لینن گراد کی گلیوں سے گذرتے ہوئے وہ محاذ کے متعلق سوچ رہے تھے کہ کسطرح وہ اپنے خون سے باہمی دوستی کا رشتہ اور مستحکم کر سکیں گے۔

"میں جا رہی ہوں" لیزا یرشوفا نے کہا "سنو، لڑکیو، میں جا رہی ہوں"

وہ خوشی سے پھولوں نہ سماتی تھی۔ مسرت کے شرارے اسکی آنکھوں میں دمک رہے تھے، کسی عمر رسیدہ عورت نے سنجیدگی سے کہا" دیکھو، لیزا بیٹا یہ کوئی کھیل نہیں ہے کہ تم جا رہی ہو ـــ پیاری لڑکی ـــ یہ جنگ ہے"

"مجھے معلوم ہے" اسنے جواب دیا، اپنے گھنگریالے بالوں والے سر کو جنبش دیتے ہوئے اسنے کہا "مجھے سب کچھ معلوم ہے"

" وہ فی الحقیقت کچھ نہ جانتی تھی۔ ایک زندہ دل لڑکی جسکی عمر مشکل سے بائیس سال ہوگی۔ اس کا وطن جرمن فاسشیتوں سے برسرپیکار تھا اور تمام جوان سال وطن کے بہادر سپوت محاذ جا چکے تھے۔ اسے بھی چلا جانا چاہیئے اسکے پھرتیلے بچکانی ہاتھوں کو تیماری داری، اور نشانہ بازی کی کافی مشق تھی۔

پھر لیزا ابھی محاذ پہونچ گئی۔ کچھ ہی دنوں بعد اسکے چہرے پر سنجیدگی آگئی اور اس کی ہئیت بدلنے لگی تب اسے معلوم ہوا کہ جنگ کیا ہے۔ میدان جنگ سے اس نے اپنے ہاتھوں کئی زخمی سپاہی اٹھالائے۔ جن کے چہرے خون میں لتھڑے ہوئے اور درد و تکلیف کے باعث کھچے ہوئے تھے۔ بم پھٹ رہے تھے۔ مشین گنیں چل رہی تھی، ہر طرف آگ ہی آگ۔ اور اسے آگ تلے رینگنا ہوتا یہ ایک انتہائی خوفناک کام تھا۔

لیکن اس سے زیادہ خطرناک واقعہ بعد میں پیش آیا۔ ہاسپٹل کی نوجوان نرس پیچھے رہ گئی۔ اور اپنے سرخ فوج کے سکشن سے علیحدہ ہوگی جب کہ اس مقام پر جرمنوں کا دہشت انگیز قبضہ ہوگیا۔

فاشست لباس میں درندے روس کے پرامن دیہاتوں

میں گھس آئے انہوں نے بوڑھے عورتوں اور مردوں کو جمع کیا اور
باندھ کر دریاؤں کو ان پہ سے گذار دیا۔ عورتوں اور لڑکیوں پر وہ
بھیڑیوں کی طرح جھپٹ پڑتے
ایک جرمن افسر نے ایک عورت کو گرفتار کر لیا۔ اور اسے
بہکانا چاہا۔ لیکن ایک چھوٹا بچہ جو اس عورت کا تھا، غصب کی
کی حالت میں اپنی ماں پر ظلم ڈھانے والے پر ٹوٹ پڑا اور اسکے
ہاتھ میں اپنے دانت گاڑ دیئے۔ اور اس درندے نے ماں
کی آنکھوں کے سامنے بچے کا خاتمہ کر دیا۔ شدت غم سے ماں
پر دیوانگی سی طاری تھی۔ لاش پر گر کر وہ اپنے بچے کو چومنے لگی۔
فاشسٹ درندوں نے ایک نوجوان لڑکی کو پکڑ لیا۔
جس نے ابھی ابھی عالم شباب میں قدم رکھا تھا اور اسے عذاب
میں مبتلا کر دیا۔ اس نے بچاؤ کی کوشش کی چلائی ماں کو آواز
دی ـــــ لیکن ظالم فاشسٹیوں نے اسکی آنکھیں پھوڑ دیں
پھر اس زخمی مجروح اور خون میں لتھڑی ہوئی لڑکی کا جسم گلیوں
میں پھینک دیا گیا۔
جرمن افسر اور سپاہی نوجوان لڑکیوں کو پکڑ لے گئے اور انہیں
حکم دیا "برہنہ ہو کر رقص کرو" لیکن ایک بھی لڑکی نے اپنی جگہ سے
حرکت نہ کی۔ تب ان کتوں نے انہیں مار ڈالا سارا علاقہ
لاشوں سے پٹا پڑا تھا۔

ان حالات کا لیزا یر شوفا کو علم ہوا۔ جو یا تو اسکے عینی مشاہدے تھے۔ یا اس دہقان عورت کے جس کے مکان میں وہ پناہ گزیں تھی۔ لیزا نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ کس طرح ایک جرمن مردار خور نے ایک دیہاتی سڑک پر معصوم بچوں کو مشین گن کی آگ کے سپرد کیا۔ اور ان کی ننھی ننھی خون آلود لاشیں میدان میں پڑی تھیں۔

غم و غصہ سے نوجوان لڑکی کا خون کھولنے لگا۔ اس کے دل میں ناسور پک رہے تھے۔ جوشیلی لیزا نے سوچا " مجھے بہ عجلت تمام ان نہنگوں سے انتقام لینا ہے، مجھے ان کی قوت کا اندازہ لگانا چاہیے، ان کے فوجوں کے حالات معلوم کرنے چاہئیں، اور اسطرح میں انکی تباہی کے لیے سرخ فوج کی مدد کر سکوں گی " لیزا نے ایک دیہاتی دہقان عورت کا لباس زیب تن کیا۔ اور چل کھڑی ہوئی۔

اس جوان ہمت لڑکی نے اپنی زندگی خطرہ میں ڈالکر دشمن کی قوت اور فوج کا اندازہ لگایا۔ پھر اسنے سرخ فوج کے سکشن پہونچ کر انہیں معلومات بہم پہونچائے۔ ہمارے جنگجوؤں نے کئی مستحکم قاشتہ گھونسلے اڑا دیئے۔

اسکی جدوجہد کارنامے اور بہادری کے صلہ میں حکومت نے ہاسپٹل نرس، کامسومولکا یرشوفا کو انعام سے سرفراز کیا۔

جھادر و نوک

ایک اجنبی مسرت کا احساس ہوتا ہے جب کوئی جنگی دوا خانے میں بحیثیت نرس کے کار فرما ہو۔ مسرت؟ لیکن اس کام میں مسرت کیسے حاصل ہو سکتی ہے یہ ایک عام سوال ہے جو ہر ذہن میں پیدا ہو سکتا ہے۔ لینا جھادر و نوک نے زخمیوں کے مرجھائے ہوئے چہروں پر غم جھلکتے ہوئے دیکھا۔ ان کی دلدوز آہیں سنیں، اور انسانی خون اور دواؤں کی بو سونگھتی رہی۔ لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود وہ مسرور رہی تھی۔ اور شادمانی نے اس کے ہر عضو جسم اور اس کے خیالات کو گرما دیا۔

یہ کیسے۔ کیا اس لئے کہ وہ وہیں تھی جہاں رہنے کی متمنی تھی۔ کوئی ہرج نہیں اگر لینا جھادر و نوک ایک مسلح فوجی نہ تھی۔ لیکن وہ مادرِ روس کے لئے اتنی ہی مفید ثابت ہو رہی تھی جتنی کہ ایک فوجی ــــ

لینا جھادر و نوک اس لئے بشاش تھی۔ کہ محاذ کے ایک دوا خانے میں وہ بیحد مستعدی اور جانفشانی سے اپنا فرض انجام

دے رہی تھی۔ ایک اجنبی انسان کے سرہانے وہ کسی گہری سوچ میں غرق تھی کہ دفعتاً یوں محسوس ہوا جیسے اسے پکارا جا رہا ہے اس نے پانی مانگا اور وہ اسکے خشک لبوں کے لیئے ایک پانی کا پیالہ لے آئی۔ اس نے پٹیاں ٹھیک سے باندھنے کو کہا۔ شدت درد سے وہ بچوں کی طرح چلا رہا تھا اور بار بار اپنی پٹیاں نوچ رہا تھا۔ پھر اس نے اپنے ہاتھ پھیلا دیئے اور اسے قریب کھینچا، وہ اپنی ماں اور بہن کو پکار رہا تھا۔ اور لینا اس سے اسی انداز میں مخاطب ہو رہی تھی جیسے ماں یا بہن۔

اسیطرح ینگ کمیونسٹ لیگی چھاور دنوک جنگی دواخانے میں کام کر رہی تھی۔ "اپنی غیر معمولی ہمدردیوں سے تم نے زخمیوں کے دل موہ لیئے ہیں" ایک مجروح جنگجو نے نرس کو لکھا۔ لینا ایک دردمند دل کی مالک تھی۔

زخمی سپاہیوں نے اسے اپنی رشتہ دار کا رتبہ دے رکھا تھا۔ اور وہ ہمیشہ مسکراتی رہی۔

وہ اس وقت بھی مسکرا رہی تھی جبکہ درندہ صفت جرمنوں نے ہسپتال کا محاصرہ کر لیا۔ اسکی خواہش تھی کہ جنگجو اسے ہمیشہ بشاش اور مطمئن پائیں۔ اور اس کی مسرت زخمیوں کی تسکین کا باعث تھی۔

مغربی محاذ پر آتشزدگیاں ہو رہی تھیں جنگ جاری

تھی جرمنوں نے ہسپتال پر بمب گرائے اور ضروری تھا کہ زخمیوں کو منتقل کیا جائے آگ کے تلے جھادرونک نے سپاہیوں کو سواریوں میں پہونچایا۔ خطرناک! ہاں یہ ایک خوفناک کام تھا۔ لیکن ایسے سمئے اسنے اپنی حیات کے متعلق کبھی نہ سوچا اسے صرف زخمیوں کو فاشستی بموں سے بچانے کا خیال تھا اسکے دل میں نفرت اور بغض کی چنگاریاں تھیں انکی طرف سے جو ہسپتال تباہ کر رہے تھے۔ اور اس نفرت نے خوف کو مٹا کر ایک دیرپا توانائی بخشی۔

ایک بار جب جنگ اپنے ارتقائی مدارج پر تھی لینا جھادرونک نے ایک لفٹنٹ کو ایک بچہ لے جاتے ہوئے دیکھا۔ یہ ننھی یتیم برہنہ لڑکی اسکی بیٹی تھی۔ اس کا چھوٹا سا تارہ تار ملبوس خون آلود تھا اور آنکھیں دہشت سے جم گئیں تھیں۔ لفٹنٹ کا سانس پریشانی کے باعث پھول رہا تھا۔ اس لئے لینا جھادرونو کو بتلایا کہ کسطرح وہ سکشن کے ساتھ اپنے گاؤں سے گذرتے وقت بیوی بچوں کو دیکھنے گیا۔ لیکن اس نے صرف کھنڈر اور منہدم جھونپڑی کے درمیان اس کی بیوی اور بچے کی لاشیں پائیں۔ یہ لڑکی خوفزدہ اور سہمی ہوئی "ماں۔ ماں" چلا رہی تھی۔

لینا جھادرونک اس خون میں لتھڑی ہوئی لڑکی پر نظر جمائے سنتی رہی۔ لفٹنٹ نے اپنی بیٹی اسکے بازوؤں میں دیدی۔

"اسے سنبھالو بہن، میں جا رہا ہوں - میں اپنی بیوی کے قاتلوں سے انتقام لونگا - اپنے بچے کا ـــــ اس لڑکی کا ـــــ اور ان تمام بچوں کا انتقام جنہیں جرمنوں نے قتل کیا ہے"

وہ چلا گیا - لڑکی کے حلق میں سسکیاں سی ابلنے لگیں لیکن، وہ انہیں نگل گئی - اسنے لڑکی کو نہلا کر کپڑے پہنائے اور اسی اثنا میں عہد کیا کہ اپنی تمام طاقت اور سارا خون محاذ کے کاموں کے تحت قربان کر دے گی -

" میں بھی تم سے انتقام لوں گی ـــــ تم قابل ملامت دو پایہ خونخوار درندو ـــــ" لڑکی چلائی ـــــ

لینا جھا درونوک اور زیادہ تن دہی سے اپنا کام کرنے لگی - اور ہر وقت وہ اسی فکر میں الجھی ہوئی رہتی کہ یہ کافی نہیں - وہ وقت بھی آجانا چاہیئے کہ بالآخر وہ اپنے عہد کا پاس کرے اپنی جانثاری کا ثبوت دے - مادر وطن کے لئے اور سوویٹ عوام کے لیئے - اور ناپاک فاشسٹیوں سے نفرت کے جذبات اسکے دل میں ابھرتے لگنے ـــــ

کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اسکی ہم عمر دوست کئی لڑکیاں محاذ پر کام کر رہی تھیں اور ثبوت دیدیا تھا کہ سوویٹ لڑکیاں بزدل نہیں - میدان جنگ میں کہیں - نوجوان نرس کو لیکوفا آگ سے کھیل رہی تھی -

اور زخمیوں کے علاج میں مصروف تھی۔ خوفناک۔ !
بلاشبہ یہ ایک خوفناک کام تھا۔ لیکن صداقت ہمیشہ خوفناک
ہی ہوتی ہے۔ کولیکوفا' لینا چھادرونوک کی طرح دشمنوں سے
متنفر تھی۔ انکا خوف اس کے دل سے مٹ چکا تھا اور وہ اپنے
کام میں مشغول تھی۔ ایک زخمی نے لڑکی کو مار دیا۔ وہ زمین
پر گر پڑی اور خون نکلنے لگا۔ لیکن اسنے اپنے متعلق کچھ نہ سوچا۔
کمانڈر کو لے جایا جانا چاہیئے۔ انتہائی تکلیف کے باوجود وہ
سنبھل کر اٹھ کھڑی ہوئی ایک سرخ سپاہی کو آواز دی۔ وہ دونو
ملکر اس زخمی سپاہی کو میدان جنگ سے اٹھا لے گئے۔ اور
صرف اسی وقت اسکے حلق سے ایک دھیمی آہ نکل پڑی۔
"تمہیں کیا ہوا بہن" سرخ سپاہی نے دریافت کیا۔
" براہ کرم —— میرے زخم —— پر —— پٹی باندھ دو"
لینا چھادرونوک یہ سب کچھ جانتی تھی۔ اس نے یہ تمام
باتیں سنی تھیں۔ اور وہ اپنی ہم عمر کامریڈس کے جرأت آزما
حالات سنکر خوش ہوتی تھی۔ وہ کلاداِیا فلوفا کے متعلق
جانتی تھی۔ کہ کسطرح اسنے اپنے جوان مضبوط کندھوں
پر پانچ زخمی سرخ سپاہی ان کے تمام اصلحہ کے ساتھ اٹھائے
تھے۔
اس نے کاتیا ابراھموفا کے حالات بھی سنے تھے جو ایک

گوریلا لڑکی تھی۔ وہ بتیس (۳۲) زخمی سپاہیوں کو اٹھالائی پھر مہیب آتشزدگی میں کود پڑی اور جب جرمنوں نے مشین گن چلانے والے کو مار ڈالا تو وہ مشین گن پہ جھپٹ پڑی اور فاشسٹ درندوں کو نشانہ بنایا۔

"بہت خوب کاٹیا ابراھموفا" اس بے خوف لڑکی پر فخر کرتے ہوئے جو اسکی ہم عمر بھی لینا چلائی۔ لیکن اسکے دل میں کوئی بات کھٹک رہی تھی اور اسکے ذہن میں ایک خیال الجھ رہا تھا۔

"لیکن میں — میں کیا ہوں — میں کب ثابت کرسکوں گی کہ موت میرے لئے کوئی حقیقت نہیں رکھتی — میں کوئی بڑا کام کرسکوں گی۔ ایک بڑا کارنامہ جو سرخ فوج کی اعانت میں ہو"

اور پھر لینا ملول ہوگئی۔ اس نے محسوس کیا کہ اس ہسپتال میں کافی خاموشی اور سکوت ہے۔

وہ وقت آگیا جبکہ جھاورونوک نے ایک سو تیس (۱۳۰) مجروح سپاہیوں اور کمانڈروں کی جانیں بچائیں۔

شہر یارتسنو کے ایک ضلع میں جرمنوں نے ریل پر حملہ کر دیا۔ ٹرین رک گئی۔ اور ہر طرف آگ ہی آگ تھی۔ لینا اور اس کے چھ مددگار بال بال بچ گئے جبکہ

ایک سو تیس سپاہی بری طرح زخمی ہوئے اور حرکت کرنے کے قابل بھی نہ رہے تھے۔

وہ لڑکی مطلق ہراساں نہ ہوئی اور نہ بھاگ کھڑی ہوئی۔ بلکہ نہایت جانفشانی سے اسنے زخمیوں کے پٹیاں باندھیں، انہیں پانی پلایا اور دیکھ بھال میں مصروف رہی۔ جبکہ جرمن ریلوے سڑک سے قریب جنگل میں موجود تھے۔

وہ باقی ماندہ سامان اور طبی سامان کے ڈبے کی محافظت میں رات بھر کھڑی رہی اور دن میں وہ زخمیوں کی تیمار داری اور خوش گپیوں میں مشغول رہی۔

"ہم اب تک یہیں کیوں پڑے ہیں" انہوں نے پوچھا "لائن صاف نہیں۔ بہت جلد ہم روانہ ہو جائینگے" لینا نے کہا تین دن گذر گئے۔ اور وہ اپنی آخری روٹیاں کھا چکے۔

"کامریڈ جہادرونوک ٭ اب غذا نہیں" اسکی ایک اسسٹنٹ نے کہا۔

"تمام واگنوں میں دیکھو" لینا نے حکم دیا اور وہ سوچنے لگی کہ کل ان زخمیوں کے کھانے کو کیا دیا جائیگا۔ نیچے آٹا ملا۔ اور اسنے کہا کہ ہمیں پاس کے گاؤں

جاکر وہاں کی عورتوں سے مدد لینی ہوگی۔

پھر اسنے گاؤں کی ایک کٹی میں پہونچ کر تمام حالات بیان کیئے۔

"عورتو۔ کیا تم میری مدد کرو گی۔ ہمیں زخمیوں کیلئے غذا مہیّا کرنی چاہئے"

"پیاری لڑکی ـــ کیا ہم سمجھتے نہیں خود ہمارے اپنے بچے محاذ پر ہیں۔ ہم مدد کریں گے"

وہ عورتیں لینا کے ساتھ گئیں اور انہوں نے زخمیوں کے لیئے غذاؤں کا انتظام کیا۔

پانچ روز اسی طرح گذر گئے۔ لیکن کوئی راہ نکالنی ضروری تھی۔

"ہم کیا کریں گے کامریڈ جھادر دونوک کیا ہم زخمیوں کو بچا سکیں گے" اسکی ایک مددگار نے کہا۔

"ہمیں چاہئے کہ انہیں بچائیں۔ اور کسی بھی طریقے سے ہم ـــــ ـــ خیر میں انتظام کرلوں گی"

اسکے مددگار جانتے تھے کہ وہ اپنی جان کی بازی لگا دے گی۔ "بہتر ہے تم نہ جاؤ بہن" ایک نے کہا "یہ بہت خطرناک ہے مجھے جانے کی اجازت دو"

"نہیں میں جاؤں گی ـــ میرے لئے یہ کام آسان ہے

میں اپنا لباس بدلکر ایک دہقان عورت کا بھیس بنا لوں گی"
اور لینا کسی قریبی سوویٹ ہسپتال کی تلاش میں نکل پڑی، ایک، جرمن طیارچی نے اسے دیکھ لیا۔ طیارے نے غوطہ لگایا اور آگ برسنے لگی۔ لیکن لینا ایک درّہ میں روپوش ہوگئی اور پھر جنگل میں وہ چلتی رہی۔

آخرکار وہ ایک سوویٹ ہسپتال پہونچ گئی اور لینا اور اسکے ساتھی بہ ہزار دقت آتش و بارود سے کھیلتے ہوئے ان زخمیوں کو اٹھالائے۔

جب وہ ایک محفوظ مقام پر پہونچ گئے تو لینا نے انہیں بتایا کہ کیا کیا گذری۔

جب فاشسٹ صفحہ ہستی سے مٹ جائے گی تو ملو رخلیق اور شاعر، مصوّر اور موسیقار سوویٹ لڑکیوں کے گن گائیں گے۔ اور اے بہادر سوویٹ لڑکیوں، نظموں، کہانیوں اور تصویروں کے ذریعہ تمہارے حالات نئی پود تک پہونچائے جائیں گے۔

تمہاری شب بیداریاں۔ اپنے چہیتوں سے بچھڑکر آگ اور خون کی ہولی ـــ زخمیوں کو دیا ہوا خون۔ اور تمہارے کارنامے بھلائے نہیں جا سکتے اے سوویٹ

بہادر لڑکیو ۔۔۔ !

ماد ر وطن تم پر نازاں ہے ۔

تمہارے قہقہے ، تمہارے گیت ، تمہارے رقص ۔۔۔ مدھم پڑ گئے ۔ تمہارے دوست ، بھائی اور سہیلیاں تم سے جدا ہو گئیں ۔ لیکن تم مایوس نہیں ہو ۔ بلکہ جوان گرم خون کا آخری قطرہ بھی سوویٹ مادر وطن کے لئے چھڑکنے آمادہ ہو ۔

تمہیں واسلیسا کو جینا یاد ہے جسنے ۱۸۱۲ء میں دشمنوں کا مقابلہ کیا تھا ۔

" میں کہتی ہوں تم لیڈرو ۔ تمہاری قسمت میں بھی وہی لکھا ہے میں نے ستائیس آدمیوں کی گردنیں ناپی ہیں "

یا تم ناڈیجھڈا ڈروفا کو یاد کر رہی ہو جس نے ایک تیز رفتار گھوڑے پر سوار اپنے راستے کے دونوں جانب دشمنوں کے سروں کے ڈھیر لگا دیئے ۔

یا ٹاٹیانا سولو ماکھا ۔ ایک کزاک گاؤں کی معلمہ جس نے اپنے ضعیف قویٰ کے باوجود کارہائے نمایاں انجام دئے ۔

سوویٹ لڑکیو ۔۔۔ تمہارے دل میں نفرت کی جوالا پھٹ پڑی ہو گی ۔ اور تم سوچ رہی ہو کہ " میری زندگی میری طاقت ، میرا خون ۔ میرا دل ۔ محاذ کے لئے وقف ہے " اور ان فاشسٹ درندوں کو بتلا دوگی کہ روس کے سرسبز چمن

پر ہاتھ پھیلانے کا انجام کیا ہوتا ہے -!
مجھے انکار نہیں — جنگ میں ہمیں مستعد رہنا ہوگا -
جنگ — آسان نہیں - لیکن زیادہ کوشش کی ضرورت
ہے -
ہمارے ساتھ ہمیشہ ایک جنگجو دوست ہے -
اس سے سیکھو کہ وہ کس طرح لڑتی ہے -
اور اسیطرح ہمارے سرخ فوجی، اور کمانڈر سوویٹ
لڑکیوں کے تذکرے کرتے ہیں -
بڑھے چلو — پیاری سوویٹ لڑکیو — ہمارا وطن
تم پہ نازاں ہے -

ایک عقیدتمند سپاہی

فبروری کی ایک کہر آلود رات کو میں دیر تک شہر کے جھلسے ہوئے ویرانوں میں میجر بازدہیوف کو تلاش کرتا رہا۔ جس کی بٹالین نے شہر کی مدافعت میں بڑا حصہ لیا تھا۔ میں شکستہ دیوار کے پاس سے گذر رہا تھا جس پر جابجا بارود کے سیاہ دھبے اور دھویں کے نشانات تھے۔ آس پاس خراب و خستہ مکان تھے اور بالآخر ایک تباہ شدہ مکان میں مجھے میجر مل گیا جسے اس کے کمانڈر گھیرے ہوئے تھے اور وہ ایک چادر پر بیٹھا تھا جو برف پر بچھی ہوئی تھی۔ میں نے ایک باوقار آواز سنی اور گھوم کر دیکھا کہ ایک سپاہی جس کے بدن پر ایک گرم جاکٹ ہے کھڑا تھا۔

"یہ ہمارا کمانڈر ہے جس سے تم ملنا چاہتے تھے" اس نے اپنی ٹوپی پر ہاتھ رکھتے ہوئے اطمینان سے کہا۔

"ہاں ـــــ میجر بازدہیوف" میں نے جواب دیا۔

"کیا تم اس کے ماتحت ہو؟" سارجنٹ یستاخیف سے دریافت کیا۔

"ہاں!"——

"معاف کرنا —— تم دیکھتے ہو کہ ابھی ابھی میجر کے ایک گہری چوٹ آئی ہے —— اس کی بیوی ماری گئی۔ کیا تم قدرے توقف کروگے؟"

سارجنٹ نے ایک بار پھر اپنی ٹوپی پر ہاتھ رکھا۔ اور متجسس سوالیہ نظریں مجھ پر گڑ گئیں۔

"ضرور!" میں نے کہا۔ میں انتظار کروں گا" اور میں ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔

سامنے ایک مکان کا ملبہ پڑا تھا جس کی وجہ سے میں اس جانب بازدہوف اور اس کے اردگرد ان افسروں کو دیکھ سکتا تھا جو اسے گھیرے کھڑے تھے۔ میں نے دیکھا کے اس کے چہرہ پر شگفتگی نہیں رہی ہے اور وہ مضمحل معلوم ہوتا ہے۔ وہ اپنے ایک ساتھی کے سر پر سے خلاؤں میں جھانک رہا تھا۔

اسی اثناء میں سارجنٹ یہ کہتے ہوئے میرے بازو برف پر بیٹھ گیا۔

"وہ دیکھا تم نے؟"

"میجر کی بیوی کون تھی" میں نے دریافت کیا۔

"وہ بھی رجمنٹ سے متعلق ہی تھی۔ شہر پر جب دوبارہ ہمارے لوگوں نے قبضہ کر لیا تو ڈویژنل کمانڈر نے اسے بہادری کے صلہ میں انعام دیا تھا۔ ہم نے اسے بہت ڈھونڈا لیکن وہ ہمیں

نہ مل سکی ـــــ بالآخر آدھ گھنٹہ پیشتر ہی میں اور میجر جنازے سے لوٹے ہیں۔ وہ جسمانی لحاظ سے کمزور تھی لیکن بلا کی بہادر ـــــ میں نے اپنے ہاتھوں اس کی قبر کھودی ہے۔

میں نے محسوس کیا کہ اس کی آواز اندوہناک ہوتی جارہی ہے "اور میرا میجر" سارجنٹ نے کچھ رک کر کہا "انتہائی دلیر آدمی ہے"

یستاخیف نے مجھے کچھ اس انداز سے دیکھا جیسے وہ یہ یقین کرنا چاہتا ہو کہ میں اس کی باتیں تسلیم کر رہا ہوں۔ تب اس نے سر کو ہلکی سی جنبش دی اور سلسلہ گفتگو جاری رکھا۔

"دوبارہ میں سوچنے لگا کہ میں اس کی مدد کے لئے کیا کرسکتا ہوں۔ اگر میں اس کا قریبی دوست یا بھائی ہوتا تو ـــــ لیکن اس صورت میں مجھے کیا کرنا چاہئے۔ صرف الفاظ سے تو کچھ نہ ہوگا۔ لیکن باقی امور تو ہمت افزا تھے۔ ہماری بٹالین سب سے پہلے شہر میں داخل ہوئی۔ میں شاید اس وقت میجر کے پہلو بہ پہلو تھا۔ لیکن وہ برابر مجھ سے آگے نکلا جارہا تھا۔ اور اب جب کہ ہمیں جشن منانا چاہئے یہ ناشدنی واردات ہوگئی ـــــ"

میں نہیں جانتا کہ میجر بازدہیوف اس غم کو کیونکر برداشت کر رہا ہے۔ لیکن میں ایسے محسوس کرتا ہوں کہ اس شخص کا غم بے نہایت ہے۔ اس کے الفاظ سے کمانڈر کی ذات سے اسکی

عقیدت کا پتہ چلتا ہے۔

"کیا تم میجر کے ساتھ زیادہ عرصہ سے ہو؟" میں نے پوچھا
"جنگ کے تمام دوران میں" اس نے فوراً جواب دیا۔
"اب تک تین سال گذرے ہیں۔"

"کیا تمہیں معلوم ہے اس نے ایک بار میری جان بچائی ہے۔ یہ سینیاون کے دلدلوں کی بات ہے۔ اس وقت وہ کپتان تھا۔ اور ایک کمپنی کی قیادت کا فرض انجام دے رہا تھا ہم ایک خندق میں کود پڑے اور ایک بمب نے میری بندوق کو از کار رفتہ کر دیا اور سامنے سے ایک دشمن مجھ پر خنجر تول رہا تھا کپتان ہم دونوں کے مابین کود پڑا۔ دشمن نے اس پر حملہ کر کے اس کے بازو کو زخمی کر دیا۔ لیکن میں نے اس وقت اس کتے کو اس کے کیفر کردار کو پہنچا دیا۔"

اس وقت یازدہنوف اٹھا اور دوسرے چند افسر بھی کھڑے ہو گئے۔ میں میجر کے پاس پہونچا اور سارجنٹ یہ کہتے ہوئے میرے پیچھے ہو لیا۔

"براہ مہربانی اس کے گھائل دل کو کریدنے کے لئے اس کی بیوی سے متعلق کوئی سوال نہ کرو۔"

اس شام میں اور میجر مختلف مسائل پر گفتگو کرتے رہے۔ بٹالین اس رات شہر میں ٹھیری تھی۔ اور ہم نے ایک مکان میں

قیام کیا جہاں سارجنٹ نے شب بسری کا انتظام کر دیا تھا۔
یازدہیوف نے دوسری باتوں کے سلسلے میں مجھ سے خود ہی اپنی بیوی کی موت کا ذکر چھیڑ دیا۔
"تمہیں شاید اس بارہ میں معلوم ہے" اس نے خود ہی نتیجہ نکال لیا۔ "میں نے تمہیں مام سے گفتگو کرتے ہوئے دیکھا ہے جس نے تمہیں اس سلسلہ میں سب کچھ بتا دیا ہوگا"
میں نے معلوم کیا کہ میجر سارجنٹ کو "مام" کہہ کر پکارتا ہے۔
"شاید ——" میجر کہہ رہا تھا" اس نے میرے لئے بستر کا انتظام بھی کیا ہے۔ تم وہاں لیٹ جاؤ۔ میں نہیں سوؤنگا"
میں نے ایسا ہی کیا۔ کچھ ہی دیر بعد میں نے ایک آدمی کو میجر کے پاس پایا جو اپنی کہنی پر تکیہ کئے بیٹھا تھا۔
"تمہیں کچھ دیر آرام کرنا چاہیے کامریڈ میجر" اس نے آہستہ سے کہا۔ "کیونکہ کل تمام دن ہمیں مصروف رہنا ہے"
رات گئے میری آنکھ کھلی تو دیکھا کہ میجر سو گیا ہے اور اس کا بدن سارجنٹ کی گرم جیکٹ سے ڈھکا ہے۔ اور لیستا چیوف اپنے سرہانے ہاتھ رکھے ٹھٹھرا ہوا پڑا ہے اور صبح کی اولین مدہم کرنوں کو مشرق سے ابھرتے ہوئے دیکھ رہا ہے۔

یازدہیوف کی بٹالین سے مجھے دوبارہ مئی میں ملنے کا اتفاق

ہوا۔ اس مرتبہ وہ بالٹک کی سرحد سے قریب خیمہ زن تھے۔ زمین پر خشک زرد گھاس تھی۔ اور سرد ہوا کے جھونکے منظر کی دلکشی میں اضافہ کر رہے تھے۔ بٹالین جنگ کی تیاریوں میں مصروف تھی۔

میجر بازدھیوف رہنمائی کر رہا تھا اور رام بھی اسکے ساتھ موجود تھا جسے میں نے فوراً پہچان لیا۔ میں پہونچا تو سارجنٹ خندق سے پانی نکال رہا تھا اور ایک پرانے دوست کی طرح اس نے میرا سواگت کیا۔ جب بازدھیوف ایک لمحہ کیلئے باہر گیا تو سارجنٹ نے کہا۔

"میجر نے مجھے تاکید کی ہے کہ میں کسی ایسے افسر یا دوسرے افراد سے اس کی بیوی کی موت کے متعلق کوئی گفتگو نہ کروں جو اس بارے میں کچھ نہ جانتے ہوں۔ مدت سے تعجب تھا کہ وہ اس بات کو پوشیدہ کیوں رکھنا چاہتا ہے۔ لیکن بعد میں مجھے پتہ چلا۔" اس نے مجھے غور سے دیکھا اور کہنے لگا۔

"وہ نہیں چاہتا کہ سپاہی یہ خیال کرنے لگیں کہ اپنے انفرادی غم و غصہ کی وجہ سے وہ جرمنوں سے انتقام لے رہا ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ۔" سارجنٹ مجھ سے کچھ قریب آ گیا۔

"وہ ایک آہنی عزم و ارادہ کا مالک ہے اور ہماری فتح ہی وہ وجہ ہے جس کے لئے وہ زندہ ہے اور اس پر اس کا ایقان ہے۔"

وہ کچھ اور کہنے ہی والا تھا کہ میجر لوٹ آیا اور یستا خیوف اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔ میجر کے ساتھ میں نے کئی گھنٹے صرف کئے اور اس دوران میں میں نے دیکھا کہ اس کا ماتحت مستعد رہا۔ اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ میجر کے لئے اس کے دل میں بے پایاں محبت وعقیدت کے جذبات موجزن ہیں۔ انہی جذبات کی بناء پر اس کو جاننے پہچاننے والے اس کی قدر کرنے پر مجبور تھے۔ اور میں نے دیکھا کہ افسر اور دوسرے لوگ اس سے ادب و احترام سے مخاطب ہوتے اور خود میجر بھی اس کی بڑی قدر ومنزلت کرتا۔ اور انتہائی خلوص سے بات کرتا تھا۔ لیکن جب ہم دونوں رہ گئے تو یازدہیوف نے کہا۔

"یہ بالکل میرے اپنے بھائی جیسا ہے۔ کسی شخص کو اتنا پرخلوص دوست نہیں مل سکتا۔ جب جنگ ختم ہو جائے میں اسے کہیں نہ جانے دونگا۔ بلکہ آئندہ میں اسے اپنے ساتھ رکھوں گا۔"

اس شام جنگ نے شدت اختیار کر لی اور یازدہیوف بار بار اپنے ماتحت کو ادھر ادھر احکام صادر کرنے بھیج رہا تھا۔ اور واپسی پر یستا خیوف ایک تجربہ کار سپاہی کی طرح تفصیلی اطلاعیں دیتا۔

رات ہوتے ہوتے صورت حال اور بھی نازک ہو گئی سلسلہ پیام رسانی برابر جاری تھا۔ اور سارجنٹ اپنے فرض

کی انجام دہی میں بکمال مستعدی مصروف و مشغول تھا۔

صبح کو میں نے تیستاخیوف کو پھر دیکھا۔ بٹالین اب کچھ تازہ دم سی تھی البتہ سارجنٹ لڑتے ہوئے زخمی ہوچکا تھا۔ مجھ سے کہا گیا کہ وہ اپنے کمانڈر سے قریب کھڑا تھا اور ان جرمن نشانہ بازوں کی زد میں آگیا جو میجر کو ہدف بنائے تھے۔

چار سپاہی سارجنٹ کو چادر پر لٹائے آہستہ آہستہ لے آئے میجر ان کے پیچھے تھا۔ اس کی اپنی ٹامی گن اس کے سینہ پر تھی اور ہاتھ میں سارجنٹ کی گن تھی۔ زخمی کا چہرہ سیاہ پڑچکا تھا سامنے سڑک پر ایک لاری کھڑی تھی۔ اور سپاہی سارجنٹ کو وہاں لے چلے میجر بھی وہاں پہونچا۔

"اب کیا حال ہے ــــــ" یازدہیوف نے پوچھا۔

"کچھ نہیں ــــــ" سارجنٹ نے جواب دیا۔ "ایک معمولی سا زخم ہے بس۔"

"جلد اچھے ہوجاؤ ــــــ" میجر نے اپنے عام انداز میں کہا۔ لیکن پھر فوراً ہی اس کا لہجہ بدل گیا "تمہارے بغیر مجھے بڑی مشکل ہوگی۔"

ڈرائیور نے موٹر آگے بڑھائی۔ سپاہیوں نے اپنا بوجھ اوپر اٹھایا تاکہ اسٹریچر پر رکھدیں۔

"کامریڈ میجر ــــــ" سارجنٹ نے متانت سے کہا۔

کیا تم ایک لمحہ کے لئے میرے قریب آؤ گے۔ پھر میں سن نہ سکا کہ سارجنٹ نے کیا کہا ——— میجر نے اپنے ماتحت کو چوما۔ اور پلٹ کر اپنے کام پر روانہ ہو گیا۔

سیب کا درخت

پناہ گاہ میں یکایک روشنی گل ہو گئی اور سراسیمگی کے عالم میں چیخوں اور کرسیوں کے ادہر اُدہر سرکنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ دفعتاً ایک بلند آواز گونج اٹھی۔

" خاموش کامریڈز۔ اطمینان سے جہاں ہو وہیں بیٹھ رہو کوئی غیر اطمینانی حالت رونما نہیں ہوئی ہے"

اور وہ سب تاریکی میں اپنی اپنی جگھوں پر بیٹھ گئے۔ حملہ کئی گھنٹوں کے لئے ملتوی رہا۔ آرٹسٹ اپنے اسٹول پر بیٹھ گیا جس پر وہ ہمیشہ تصویر کشی کے وقت بیٹھتا تھا۔ یہ ہلکا تین ٹانگوں والا اسٹول جسے اس نے خود اپنے ہاتھوں بنایا تھا۔ اس کے لئے بڑا کار آمد ثابت ہوتا تھا۔ آرٹسٹ پٹروگراڈ موضع کے ایک چھوٹے سے یک منزلہ مکان میں رہتا تھا جس کے اردگرد اسی قسم کے اور مکان تھے اور کئی انقلابوں اور جنگوں نے ان میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی تھی۔ اس چھوٹے سے مکان کے آگے ایک چھوٹا سا باغ اور ایک پرانا خراب وخستہ فوارہ بھی تھا جس پر اب برف جمی رہتی ہے۔ گذشتہ لمحہ آرٹسٹ نے صرف اپنے باغ، مکان اور

فوارہ کے متعلق ہی سوچا۔

اس نے اپنے آس پاس بیٹھے ہوے لوگوں کی مختلف آوازیں سنیں، خطرات کے تذکرے، بچوں کے رونے کی صدائیں دروازے کے کھلنے بند ہونے کی آواز ـــــ اور منظر پر پھر طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی ـــــ گہری تاریکی۔

"مجھے بہت عرصہ پیشتر لینن گراڈ سے چلا جانا چاہئے تھا" ایک ایک آواز نے متاسف انداز میں کہا۔" ہاں" ـــــ آرٹسٹ نے اسے اپنے بارے میں سمجھا۔" میں نے بھی نہ جا کر کیسی حماقت کی ہے" یہ تاخیر کوئی بزدلی پر محمول نہ تھی بلکہ وہ پوسٹروں کے بارے میں سوچ بچار کر رہا تھا۔ ان پوسٹروں کے بارے میں جو بیحد مقبول تھے اور کلبوں، کلبوں اور محاذ پر ہر کہیں لگائے جاتے تھے۔ یہ ٹھیک تھا لیکن ضروری نہیں کہ یہ کام لینن گراڈ ہی میں سرانجام دیا جائے لیکن اب تو حالات اتنے پیچیدہ ہو گئے تھے۔ کام کرنا بھی دشوار ہو چلا تھا۔ اسٹوڈیو میں کافی سردی تھی۔ اتنی سردی کہ اس کی ٹھٹھری ہوئی انگلیاں مشکل سے پنسل بھی تھام سکیں۔ چھوٹا سا اسٹو اس قابل نہ تھا کہ گرمی پہونچا سکے اور کوئی دوسری ترکیب بھی نہ تھی۔ اس کے چھوٹے سے مکان میں پناہ گاہ کا انتظام بھی نہ تھا۔ اس لئے اسے ہر مرتبہ اس بڑی پناہ گاہ میں بھاگ آنا اور گھنٹوں بیٹھنا پڑتا تھا۔ اس پر سردی کا حملہ ہو گیا تھا اور وہ

بری طرح کھانسی میں مبتلا تھا۔ مدت سے اسے معقول غذا بھی نہ ملی تھی۔ اور اس کے لئے اپنے مکان سے دور پیدل چلکر آرٹسٹ کلب پہونچنا بھی مشکل تھا۔ گلیوں میں موٹر بھی نہیں دوڑ رہی تھیں اور نہ ہی سڑکوں پر روشنی تھی۔ اس سے کہا گیا کہ اگر وہ والگا پہونچ جائے تو اسے منور سڑکیں، روشن اور آرام دہ کمرے اور معقول غذا دستیاب ہو سکتی ہے۔ وہاں اس کے وہ ساتھی بھی تھے جو پہلے جا چکے تھے۔ ہاں ——— اس تاریکی میں بیٹھے رہنا کتنی حماقت خیز بات ہے۔ سردی سے ٹھٹھرے ہوئے بھوک سے بیتاب اس وقت تک انتظار کرو جبکہ کہ کسی ساتھی کے سر پر بمب آگرے۔

بار بار مکان لرز رہا تھا۔ ہر فرد خاموش تھا۔ اور چند لمحوں تک دھماکوں کی آوازیں آتی رہیں۔ تب کہیں سکوت چھا گیا اور تاریکی اور گہری ہوتی گئی۔ آرٹسٹ کو وقت کا کوئی اندازہ نہ تھا۔ وہ پناہ گاہ میں سر شام داخل ہوا تھا اور اب تو کافی وقت بیت چکا قدرے توقف کے بعد پھر ایک دھماکا سنائی دیا ——— ایک اور دھماکا ——— ایک اور ——— "وہ بمب پھینک رہے ہیں" ——— اس نے سوچا۔ اس کا محبوب شہر کتنا متغیر ہو گیا۔ یہ خیال اندوہناک اور غم آگیں تھا۔ اتنا درد انگیز اور المناک کہ کسی کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئیں۔ بہت جلد خطرہ کا الارم ختم ہو جائے گا اور وہ ان گلیوں میں داخل ہوگا جہاں مکانوں پر تازہ بربادیوں کے آثار ہوں۔ وہ

مکان جو کبھی دیر پہلے زندگی کے گہوارے تھے اب خاک کا ڈھیر اور تباہیوں کی مجسم داستان ہوں گے۔

ایک گوشہ میں کسی روپوش بچہ کی رونی آواز آرہی تھی۔ آرٹسٹ نے چاہا کہ اس معصوم بچہ کا خاکہ کھینچے جس کی آنکھیں نمناک ہو چلی ہیں شاید وہ سو گیا تھا اور اچانک جاگ اٹھا ہے۔ اور تاریکی میں دہشت کے مارے رو رہا ہے۔ کیا وہ کسی پناہ گاہ کی تصویر بنا سکے گا۔ ایک ایسی ہی پناہ گاہ جہاں موم بتیاں جل رہی ہیں اور ان کی مدہم روشنی میں کچھ انسانی چہروں کے نقوش ابھر رہے ہیں دیواروں پر سیاہ سائے اور مبہم شکلیں۔ گرم ملبوسات میں ایک بوڑھی عورت کسی گوشہ میں آہستہ آہستہ گفتگو کرتے ہوئے نوجوان جوان ماؤں کے سینوں سے چمٹے ہوئے شیر خوار بچے۔

اس دور ابتلا میں آرٹ کے لئے بڑا نازک موقع آپڑا تھا۔ قدیم فنکاروں نے ماضی کی عظیم الشان داستانوں کو پیش کیا ہے "گویا" نے لینن گراڈ کو اپنے رنگ میں بیباکی اور استقلال سے پیش کیا تھا۔ آج سے ایک صدی پہلے" میں نے یہ دیکھا ———"

زینہ پر ایک روشنی جگمگا رہی تھی۔ اور کھلے دروازوں سے خطرہ ختم ہونے کے سگنل کی آواز آرہی تھی۔ آخر کار حملہ ختم ہو گیا۔

آرٹسٹ نے کوئی عجلت نہ کی۔ اس نے اس وقت تک

انتظار کیا جبکہ مجمع تاریکیوں کو چیرتا ایک تنگ دروازے سے گذر نہ گیا۔ سب سے آخر میں وہ سرد دیواروں سے ہوتا ہوا باہر نکلا اسے خوف تھا کہ گلی میں داخل ہوتے ہی اسے تباہ شدہ مکان نظر آئیں گے اور اپنے مختصر مکان تک پہونچنے کے لئے ان شکستہ گھروں سے ہوکر گذرنا ہوگا۔

جیسے ہی کہ وہ گلی میں داخل ہوا وہ سراسیگی اور استعجاب کے عالم میں ٹھہر گیا۔ سارا منظر چاند کی منور کرنوں سے مامور تھا۔ مکانوں کی دیواروں سے اوپر دور آسمان پر چاند دمک رہا تھا۔ جسکے اردگرد سفید اور نیلگوں بادل منڈلا رہے تھے اور ایسے محسوس ہوتا تھا کہ بھیڑوں کے گلے رواں دواں ہیں۔ فضاؤں پر کہر چھائی ہوئی تھی۔ اور آسمان پر جیسے نمی اور نور باہم خلط ملط تھے۔ مکانات سے آگے دور تک کھلا میدان تھا اور پیروں تلے ہر کہیں برف بکھری ہوئی تھی ادہر ادہر بکھرے ہوے سائے عجیب منظر پیدا کر رہے تھے۔

وہ اپنے مکان کی طرف بڑھنے لگا۔ وہاں اس نے خود کو ایک باغ میں پایا جو خواب سے زیادہ حسین تھا۔ درختوں پر کہر جمی ہوئی تھی۔ اور ہر طرف روشنی سی پھیل رہی تھی جیسے آرٹسٹ کے اردگرد درخت رقص کر رہے ہوں۔

اس معجزاتی باغ کے وسط میں ایک درخت عجیب دلربایانہ انداز میں ساکت وصامت کھڑا تھا۔ آرٹسٹ ایک اڈھیڑپن میں مبتلا

تھا وہ اس جگہ کو پہچان نہ سکا اسے یہ بھی یاد نہ تھا کہ وہ یہاں تک کیسے پہونچا ہے۔ اور یہ باغ کس کا ہے۔

اس نے آس پاس نگاہ دوڑائی راستے پر لوگ چل پھر رہے تھے قہقہوں کی آوازیں سرد فضاؤں کو چیرنے لگیں۔ اس نے اپنی گرم اونی ٹوپی اتار لی اور کچھ دیر وہیں ٹھہرا رہا۔ تب اس کے ہوش و حواس بجا ہوئے اور وہ اپنی محویت سے جاگ اٹھا۔ وہ اپنے ہی باغ میں تھا۔ اور اس فوارہ کی جانب آگے بڑھ رہا تھا۔ جس پر برف کی تہیں جم گئی تھیں۔ اس نے وہ باڑہ کیسے پھلانگی جو باغ کے اطراف گھری ہوئی تھی؟ اس نے دیکھا کہ باڑہ وہاں سے غائب ہے اور ایک زبردست دھماکے نے اسے گلی کے اس جانب ڈال دیا ہے۔ وہ درخت اس کا پرانا سیب کا درخت تھا جو ہمیشہ سے فوارے کے پاس استادہ ہے اور سامنے اس کا اپنا تاریک مکان موجود ہے۔

اس نے اپنے اطراف ایک نگاہ ڈالی اور دیکھا کہ شہر چاند کے نور سے نہا رہا ہے۔ اور اس کے محبوب شہر کی آبادی دور دور بکھری ہوئی آبادی ایک خاموش حسن کی طرح پھیلی ہوئی ہے۔

آرنسٹ نے اس آبادی کو غور سے دیکھا جیسے اس نے نیا جنم لیا ہو۔ وہ سارے پریشان کن خیالات جو پناہ گاہ میں اسکے ذہن میں پیدا ہوے تھے محو ہو گئے۔ یہ محنت، محبت حسن اور بہادری کی دنیا کتنی خاموش تھی۔

اس شہر کی مدافعت آخری سانس تک کی جانی چاہیئے۔ آخری قطرہ خون تک، دشمن کو ان دیواروں سے ٹکرا کر لوٹنا ہوگا۔ اور اس کی شکست ناگزیر ہے ———

آرلشٹ وہیں استادہ تھا، —— اور اس کے دل میں مسرت استعجاب اور فخر کے جذبات موجزن تھے۔

سن رسیدہ سورما

وہ بہت بوڑھا تھا اور اس کی آنکھوں سے مشکل سے سجھائی دیتا تھا۔ وہ سب کھلے دریچے کے پاس کھڑے تھے۔ وہ بھی ان لوگوں کے پاس پہونچا لیکن اسے کچھ دکھائی نہ دیا۔ اس لئے اس نے دریافت کیا۔

"کیا ہوا ہے؟"

وہ دور کہیں۔ شہر کے اوپر دھویں کے گہرے، بادل منڈلا رہے ہیں۔ جیسے دھویں کے عظیم پہاڑ اور ڈوبتے ہوئے سورج کی روشنی میں اس کے کنارے روشنی مائل ہیں۔ دھواں اب گہرا اور نیلگوں ہو چلا اور اپنے انتہائی مدارج طے کرنے لگا۔"

"یہ کیا ہے ــــــ آگ، آتشزدگی؟" وہ دریافت کرنے لگا "کیا یہ جرمنوں کے کرتوت تو نہیں؟"

"ہاں ـــ" اس سے کہا گیا۔

طیارہ شکن توپیں ابھی برس رہی تھیں لیکن زیادہ سرعت سے نہیں۔ وہ رات میں اپنے نقشے دیکھا کرتا تھا۔ وہ ایک سن رسیدہ جغرافیہ کا فوجی معلم تھا۔ اور ایک موجد۔ اس کے پاس کئی نقشہ تھے

ان نقشوں پہ پھیلے ہوئے نیلگوں، بھورے، ہرے، اور زرد رنگ سے پرے اس نے ایک عظیم ملک کی زندگی دیکھ پائی۔ ایک وسیع، آزاد اور ابھرتے ہوئے ملک کی زندگی۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے نقشہ سال بہ سال کیسے بدلتے جاتے ہیں اور اب جب کہ اس لینن گراڈ کے نقشہ پر نظر ڈالی تو اس کی بھویں سکڑ گئیں اور پیشانی پر شکنیں آگئیں۔

جرمن پشکن پارک کی سمت آگے بڑھ رہے تھے۔ گاچینہ ان کی زد میں تھا۔ پیٹر ہوف مسخ ہو چکا تھا۔ اور ستین گنوں کی آوازیں کالینو سے بہ آسانی سنائی دیتی تھیں۔

"نہیں یہ ناممکن ہے" اس نے خود سے کہا۔ "یہ نہیں ہو سکتا کہ جرمن لینن گراڈ میں داخل ہو جائیں۔ یہ شہر کبھی کسی دشمن سے محصور نہ ہو سکا۔ بس اسے نہیں مان سکتا۔ میرا ذہن اسے قبول کرنے سے انکار کرتا ہے۔ یہ شہر کبھی مفتوح نہ رہا کبھی نہیں۔ کبھی نہیں ——"

اس نے احتجاجاً اپنے آتشیں شیشے کو دور پھینک دیا۔

"اور یہ شہر جرمنوں کا مفتوح ہو گا۔ ان درندہ صفت جرمنوں، ان نازی بھیڑیوں کا جو عورتوں اور بچوں کے خون کے تک پیاسے ہیں، ان فاشسٹوں کا ——"

"نہیں نہیں" جرمن جرنل جنگ کے طریقوں سے واقف ہیں ان کی تنظیم مستحکم ہے۔ اور وہ جانتے ہیں لڑائی کیسے لڑی جا سکتی ہے۔"

"لیکن کیا وہ لڑنے کے طریقے جانتے ہیں"—— دوسرے ہی لمحہ

وہ چلایا۔ "وہ خونی درندے نہتے لوگوں پر وار کرنا' تباہیاں پھیلانا اور آتشزدگی سے واقف ہیں۔ لیکن اب یہ نہ ہو سکے گا۔ ہم ان کے جال میں نہ آئیں گے۔ روسی عوام اتنی آسانی سے زیر نہیں ہو سکتے تم لینن گراڈ کبھی حاصل نہ کر سکو گے"

وہ اپنے بستر پر دراز ہو گیا لیکن نیند نہ آتی تھی۔ اور شہر کے اردگرد جو لڑائی ہو رہی تھی اسی خیال میں وہ مستغرق رہا۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور اکناف شہر کا سارا منظر اس کی آنکھوں میں پھر گیا۔ وہ عمارتیں اور وہ مقامات جہاں نصف صدی پہلے وہ ایک افسر تھا اور اپنے فرائض کی بجا آوری کر رہا تھا۔ لیکن دہشت اور سراسیمگی نے ان خیالات کو محو کر دیا۔ شاید دشمن کے دبابے شہر کے مضافات میں داخل کر چکے تھے۔ اگر فی الواقعی ایسا ہو تو وہ کم از کم دستی بمب پھینکنے کی طاقت تو ضرور رکھتا ہے۔ وہ یہ کبھی نہیں دریافت کریگا کہ "وہ کتنے ہیں" یہ درست ہے کہ اس کی بصارت کمزور تھی لیکن وہ یہ دریافت کرے گا۔ "وہ کہاں ہیں ــــ لیکن نہیں۔ جرمن ان مقدس راہوں پر کبھی نظر نہ آسکیں گے، کبھی نہیں"

جب ہوائی حملہ کا الارم بجا تو وہ پناہ گاہ میں نہیں گیا۔ مکان ایک دھماکے سے متزلزل ہو گیا۔ چھت پھٹ پڑی دریچے اڑ گئے۔ لیکن اس نے صرف اتنا ہی کہا

"اے خونی درندو! اب تمہاری زندگی خیر بھی خیر نہیں۔"

لڑائی شدید تر ہوتی گئی اور لینن گراڈ کی سرحدوں پر دشمن پہنچ گئے۔ سرما آیا اب مکان تاریک اور سرد تھا۔ انگیٹھی میں کچھ مدہم شرارے دہک رہے تھے اور کسی قدر گرم فضا پیدا ہو گئی — بڈھے کے لئے ہر دن مشکل سے گذرتا۔ وہ کمبل میں لپٹا پڑا رہا۔ اور ساری زندگی اس کی آنکھوں کے آگے سے گذر گئی۔ وہ ایک طویل، پر از محنت اور دلچسپ زندگی تھی۔ شاید وہ بھی کوئی حصہ لیتا مگر اس کے اعضاء میں اتنی سکت نہ رہ گئی تھی۔

اپنے دریچے کے باہر دور دور تک پھیلے ہوئے شہر کے متعلق اس نے سوچا جو محنت اور جنگ کے دور سے گذر رہا تھا۔ آس پاس کی راہوں پر ہر کہیں بمب پھٹ رہے تھے۔ اور ان کے دھاکوں کی آوازیں اس کے لئے پریشان کن اور تکلیف کا باعث تھیں۔

ان جذباتی لمحوں میں جب کہ اس کے خیالات میں ایک تلاطم سا پیدا ہو جاتا وہ اپنے میز کی دراز سے اپنی سنہری دستی گھڑی نکال لیتا اور اپنی کلائی پر باندھ لیتا تھا۔ یہ گھڑی اسے فوج کے تدریس میں نمایاں حصہ لینے کے صلہ میں دی گئی تھی۔ جہاں اس نے کئی سال تک تعلیم دی اور بیسیوں نوجوانوں کی تربیت میں مدد دی۔ ذہین اور بہادر کمانڈرز — اسے ان کے متبسم چہروں کا خیال آیا۔ ان کی نوجوان روح اور ان کے دلچسپ مباحث کا۔ اور پھر اچانک اس نے انہیں دیکھا۔ نوجوان گھوڑوں پر سوار بلند پہاڑیوں، خیموں، دریاؤں اور کاکیشیا کی

چڑھائیوں کو عبور کرتے ہوئے ـــــ

وہ بہت نحیف ہو چلا تھا۔ اسے اپنی غذا کھانے تک کے لئے نا ل
ہوتا تھا۔ اور اس کی لڑکی کو کھلانا پڑتا۔ کھانے کے دوران میں وہ اسے
محاذ کی تازہ ترین خبریں سناتی تھی۔

"ہزیمت، ہمیشہ ہزیمت" وہ بڑبڑاتی، دبی ہوئی مغموم
آواز میں اور اس کی کمزور آنکھیں اپنی بیٹی کے چہرے پر گڑ جاتیں۔

"بڈھا زیادہ دن نہیں جیئے گا" ہمسائے کہتے تھے۔

ایک حسین صبح لڑکی نے اپنے باپ کے کمرے سے عجیب آوازیں
سنیں۔ پہلے اسے ایک کلہاڑی کی آواز آئی۔ پھر ہتھوڑے کی اور پھر
گانے کی آواز۔ ہاں۔ کمرے میں کوئی گا رہا تھا۔ الفاظ مبہم تھے بلکہ
اس گیت میں کوئی خاص الفاظ ہی نہ تھے۔ وہ صرف گنگنانے کی
آواز تھی۔

جہاں تک اسے معلوم تھا، بڈھا اپنے پرانے کمبل میں لپٹا ہوا
پڑا رہتا۔ مضمحل اور پست۔

وہ دروازے کی طرف آگے بڑھی۔ اس نے دروازہ کھولا۔
دیکھا کہ اس کا بوڑھا باپ گا رہا ہے۔ ہاں بوڑھا ہی گا رہا تھا اور اس کی
آنکھیں روشن تھیں۔ اس کے کندھوں پر ایک پرانا اوورکوٹ پڑا
تھا اور بہت بھلا معلوم ہو رہا تھا۔

"ابا۔ تمہیں کیا ہوا ہے؟" وہ چلائی "تم کیوں اٹھے اور یہ کام

کیوں کر رہے ہو تم میں ان کاموں کی طاقت کہاں ؟"

اس نے بیٹی کو غور سے دیکھا۔ اور پھر صاف اور واضح آواز میں جواب دیا کہ "کیا تم نے آج صبح ریڈیو نہیں سنا ؟"

"نہیں" اس نے جواب دیا۔ "اس میں کیا کہا گیا"

بڈھا آدمی اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے ایک ہاتھ میں ہتھوڑا تھا اور دوسرے میں کلہاڑا۔

"تم نے نہیں سنا" ساری دنیا نے سنا اور تمہیں کچھ بھی معلوم نہیں۔ جرمن ماسکو کے آس پاس سے مار بھگا دئیے گئے۔ میں کہتا نہ تھا۔ وہ جنگ کیا جانیں، ان کی لڑائی کے طریقے بالکل لٹیروں جیسے ہیں۔ انھیں ہزیمت اٹھانی پڑی۔ سمجھ گئیں تم۔ ماسکو میں اس پسپائی کے بعد وہ لینن گراڈ حاصل نہ کر سکیں گے۔ جب میں نے یہ خبر سنی میں چپکا لیٹا نہ رہ سکا۔ میں اٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے زور سے چلایا۔ "فتح زندہ باد ——— فتح پائندہ باد" یہ نعرہ لیٹے ہوئے کیسے لگایا جا سکتا تھا۔ یہ جوش اور بہادری کا نعرہ ——— عظیم سوویٹ عوام کی فتح کا نعرہ۔

نئی زندگی

وہ پھر اسیمگی اور استعجاب کے عالم میں مبہوت کھڑا تھا۔

"مجھے تمہارا کھوج لگانے میں بڑی دقت پیش آئی۔ ایک مرد اپنے مکان کو اتنی رات گئے لوٹتا ہے"؟

اس نے اپنی ٹوپی سے برف جھاڑتے ہوئے کہا۔

"کیا وہ ہسپتال میں ہے؟"

"جی ہاں" اس سے کہا گیا "کیا ہوا اُسے"

"کیا ہوا؟ ____ وہی۔ جو ایک عورت کو نئی زندگی کے جنم دیتے سمئے ہوتا ہے اور کیا"

"اور تم کون ہو"؟

"میں اتفاقاً اپنی ڈیوٹی سے لوٹ رہی تھی۔ ہمیں عجلت کرنی چاہیئے۔ میں تمہیں راستہ بتاتی ہوں ____

عجیب اتفاق ہے۔ میں یہاں سے گذر رہی تھی اور وہ یہیں تھی۔ ہمارے علاوہ ایک متنفس بھی نہ تھا۔ میں اس کی کیا مدد کر سکتی تھی۔ کیونکہ میں کوئی دایا تو ہوں نہیں۔

کچھ دیر بعد ارنیا جو ایک ہسپتال کی ملازمہ تھی اور ایک اجنبی داخل ہوئے۔ وہاں کافی تاریکی تھی۔ ایک تاریک مکان سامنے تھا اور کوئی روشنی نہ تھی۔ گلیوں میں کہر آلودہ راستوں پر اسکاؤٹ اِدھر اُدھر حرکت کرتے نظر آ رہے تھے۔

یکایک وہ برف میں دھنس گئے۔ ایک باریک چبھتی ہوئی آواز سنائی دی۔ جو قریب تر آتی گئی۔ انھوں نے بازوؤں سے اپنے سر چھپالئے۔ پاس ہی کہیں سے سرخ سرخ شعلے اوپر کو اٹھنے لگے۔ اور ایک دھماکہ کی آواز سنائی دی۔ اور سامنے والے مکان کا کچھ حصہ زمین پر آرہا۔

"مجھے امید ہے کہ اسے کوئی ضرر نہ پہونچا ہوگا" ارینا سے دریافت کیا گیا۔

"نہیں وہ دوسری جانب ہے۔ آج رات حملہ بہت شدید ہے اور میں نہیں چاہتی کہ گھر پہونچنے سے پہلے مجھے کوئی ضرر پہونچے۔"

"ارنیہ بیماروں کے ملاقاتیوں کے کام پر متعین تھی۔ بیماروں کے کام سے اسے کوئی سروکار نہ تھا لیکن رات کی بھیانک تاریکی میں اس نے ایک عورت کی مدد کی جبکہ وہاں اور کوئی اس کی مدد کو موجود نہ تھا۔ رات مہیب اور تاریکی سنگین تھی، سر پر شدید حملے کے امکانات تھے۔ ارینا اور اس کا ساتھی کہر آلود فضاؤں میں دوڑے اور کچھ کچھ فاصلہ پر حملوں اور دھماکوں کی آوازیں سنتے رہے۔

سیدھی جانب کراہنے کی آواز آئی ۔ وہ وہیں رک گئے ۔ ۔ ایک عورت دیوار پر تکیہ کئے ایک آہنی گیٹ کے پاس نیم دراز تھی ۔ ارینا گھٹنوں کے بل جھک کر اس کے قریب ہو گئی ۔ اور اس عورت نے اسکا ہاتھ تھام لیا اس عورت کو بعد از وقت وہاں لایا گیا تھا ۔ رات کے ان انگیز لمحوں میں جب کہ ہر طرف بمب اور شل پھٹ رہے تھے اور کڑا کے کے جاڑے پڑ رہے تھے وہ ایک بچہ کو جنم دے رہی تھی ایک نئی زندگی کو ـــــــ ارینا نے اطراف ایک نگاہ دوڑائی ۔ اور سوائے تاریکی کے اسے کچھ نظر نہ آیا ۔ عورت کے کالر پر برف جمی ہوئی تھی ۔ کپڑے نم آلود اور سرد تھے اور اس کے دست و بازو سردی کے باعث ٹھٹھر رہے تھے ۔ اس کا دل اس زور سے حرکت کر رہا تھا کہ دھڑکنیں بہ آسانی سنائی دے رہی تھیں ۔ مقفل گیٹ پر اب آواز دینا بھی بے سود معلوم ہوتا تھا ۔ گلیاں اداس اور سنسان تھیں اور آثار بتا رہے تھے کہ صبح تک یہاں کوئی نہ آئے گا ۔

لیکن اس سرد فضاؤں اور ویران جگہ پر ایسے محسوس ہوتا کہ فردوسی ہوائیں چل رہی ہیں ۔ جہاں ایک نئی زندگی جنم لینے والی جس کی حفاظت ضروری ہے ۔ جسے 'سردی' کہرا اور لو یوں کی زد سے بچایا جانا چاہیئے ۔ اس نے اس عورت کی مدد کی ۔ بالکل اسی طرح جیسے کہ وہ دواخانے میں ایک پلنگ پر دراز ہو ـــــــ اس نے بچہ کو ـــــــ اس نوزائیدہ انسانی وجود کو اوپر

فضا میں بلند کیا۔ جیسے کہ وہ اس عظیم شہر کا معائنہ کرا رہی ہو جو تاریکی کی چادر لپیٹے ہے۔ پھر اس نے اپنے گرم کوٹ میں اسے بحفاظتِ تمام چھپا لیا۔ اور اپنے کوٹ پر کی برف جھاڑ دی۔

اس کے پیچھے ماں نے اپنے تھکے پیر اور مضمحل اعضا پھیلا دیئے اور مدہوش سی پڑی رہی۔ پھر اس نے اپنے پژمردہ لب وا کیئے۔

"میں خود چل سکتی ہوں" —— اس نے عورت کی مدد کی اور اسے کھڑا کر دیا۔ "ہمیں جلد وہاں پہونچنا چاہیئے۔ وہ اب کچھ دور نہیں"۔

برف ان کے چہروں سے مس ہوتی رہی۔ سرد ہوائیں اٹھکھیلیاں کر رہی تھی اور وہ آگے بڑھنے لگے دھماکوں کی آوازیں اب بھی آ رہی تھیں لیکن وہ فاتحانہ انداز میں آگے بڑھتے رہے ضرورت ہوتی تو یہ جلوس، یہ مختصر سا شاہانہ جلوس پورے شہر سے گذرتا۔ ایک معصوم نوزائیدہ انسانی وجود کو لئے ہوئے جس نے ان دہشت انگیز لمحوں میں اپنی آنکھیں کھولی ہیں۔

ماں پہلے ہی سے جانتی تھی کہ اس نے ایک لڑکی کو جنم دیا ہے۔ لیکن وہ کبھی کبھی ارینا کی طرف اپنے ہاتھ پھیلا رہی تھی تاکہ اس سے بچہ لیکر اپنے خیال کی تصدیق کر لے۔

وہ ہسپتال پہونچے۔ اور جب عورت کو بستر پر لٹا دیا گیا۔ اور تمام انتظامات مکمل ہو گئے تو اس نے ارینا کو بلایا اور آہستگی

سے دریافت کیا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"کیوں۔ کیا تم معلوم کرنا چاہتی ہو؟" ارینا نے پوچھا۔

"مجھے جاننا چاہئیے۔"

"میرا نام ارینہ ہے۔ لیکن تم کیوں دریافت کر رہی ہو۔"

"میں اپنی بچی کا یہی نام رکھوں گی تاکہ وہ تمہیں فراموش نہ کر سکے۔ تم نے اس کی جان بچائی ہے۔ میں تہٖ دل سے تمہارا شکریہ ادا کرتی ہوں۔"

اور اس نے اسے تین بار چوما۔ ارینا دوسری طرف پلٹ گئی۔ اور اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ کیوں ——— ؟ اسے معلوم نہ تھا۔

روسی گریلا

مترجم

دارالسر الہام

روسی سورماؤں کے جانفروشانہ اقدامات بڑے سلیقے سے جمع کئے گئے ہیں جسمیں فسطائیت کے خلاف ان کی بے جگرانہ جدوجہد کو اجاگر کیا گیا ہے اس عوامی جنگ کے خاتمہ پر روسی فاتحین کے کارنامے اور انکی تفصیلات یقیناً دلچسپ اور قابلِ مطالعہ ہے

رنگین جاذب نظر سرورق قیمت ۱۲ر

فلمی تتلیاں (باتصویر)

از

بجلی جامپوری

نرگس، بیگم پارا، وینا، ثریا، نینا، جے شری، وسملا کے علاوہ ایک سو ممثلات کے حالات زندگی کو انتہائی رنگین زبان میں معہ تصاویر کے اس کتاب میں پیش کیا ہے۔ یہ اردو زبان میں فلمی دنیا کے چمکتے ستاروں کے خانگی رومانی حالات سے متعلق پہلی کتاب ہے

مجلد گردپوش قیمت (للعہ)

دورِ اسیری

از

وجے لکشمی پنڈت

مسز پنڈت کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔
سان فرانسسکو کانفرنس میں سامراجیوں کے تعمیر کیئے
ہوئے قلعوں کو مسمار کر کے ہندوستان کے حقیقی
حالات کو بین الاقوامی نقطۂ نظر سے پیش کرنیوالی خاتون
کے جیل کے حالات جسے خود انھوں نے قلمبند کیا ہے۔
اور مشہور جرنلسٹ ظفر جاوید نے ترجمہ کیا ہے۔

(زیرِ طبع)